وابتغوا الیه الوسیلة

آل النّبیؑ

وسیلة النجاة

(منابع ومدارک اسلامی معتبر اور مستند کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے)

مولّف

غلام محمد فخر الدین نجفی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

فاللہ خیر حافظاً وھو ارحم الراحمین

خیر خدا بہترین حفاظت کرنے والا ہے اور وہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔
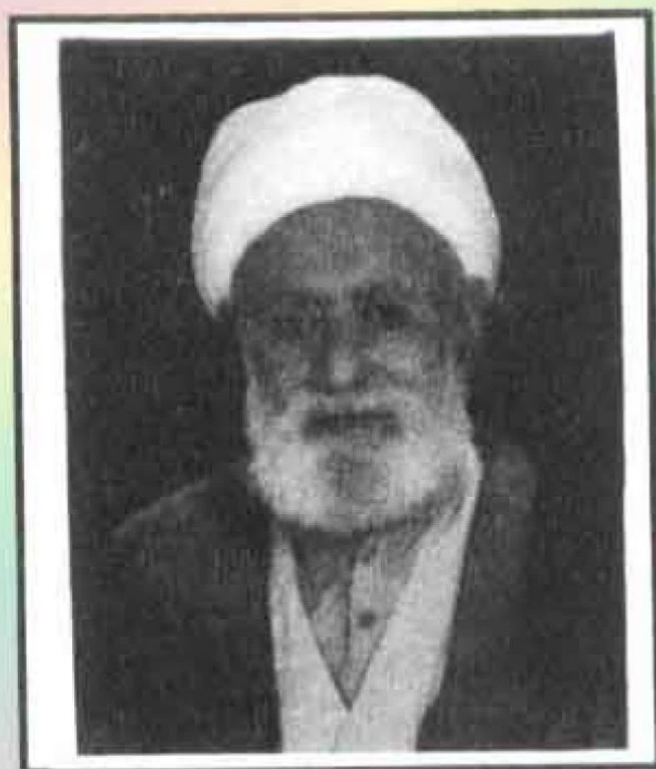
تمثال مبارک مؤلف حجۃ الاسلام والمسلمین آقای الحاج فخر الدین نجفی مدظلہ العالی

SHAIKH GHULAM MUHAMMAD FAKHAR-UD-DIN

QUM-UL-MUQADDAS I.R.IRAN

نام کتاب:........................ آل النبیؐ وسیلۃ النجاۃ

مؤلف: .... غلام محمد فخر الدین

کمپوزنگ:........................ محمد حسین ذاکری

ناشر: .... انتشارات عصمت۔قم

چھاپخانہ: .... قدس۔قم

تعداد: ۲۰۰۰

تاریخ اشاعت:........................ ۱۴۲۴ھ ق

طبع: .... اوّل

شابك: ٩٦٤ ـ ٦٩٦٣ ـ ٤٢ ـ ٠

رابطہ کیلئے:

شیخ غلام محمد فخر الدین

ایران قم خیابان شہید روحانی کوچہ ۵/

۱۲ متری شہید خباز نو پلاک ۴۴/ فون نمبر: ۷۷۱۸۷۴۹

فہرست مطالب

پہلی فصل

(حصۂ اول)

(حصۂ دوم)

(حصہ سوم)

(حصہ چہارم)

دوسری فصل

اسلام اور آج کا نظام

انتساب

میں اپنی اس ناچیز کوشش کو
دختر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ و
سلم مادر حسنین علیہما
السلام زوجہ امیر المومنین علیہ
السلام خاتون جنت شافع محشر،
سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ
زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت
عالیہ میں بصد ادب پیش کرتا ہوں۔

غلام محمد فخر الدین

اشعار

آلُ النَّبِیِّ ذَرِیْعَتِیْ ☆ هُمْ اِلَیْهِ وَسِیْلَتِیْ

اَرْجُوْبِهِمْ اُعْطٰی غَداً ☆ بِیَدِ الْیَمِیْنِ صَحِیْفَتِیْ(۱)

''خاندان پیغمبر خدا تک پہنچنے میں میرے وسیلہ ہیں اور میں ان کے وسیلے سے امیدوار ہوں کہ روز قیامت میرا نامہ اعمال میرا دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔''

امام شافعی فرماتے ہیں کہ:

یَا اَهْلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّکُمْ ☆ فَرْضٌ مِنَ اللّٰهِ فِیْ الْقُرْآنِ اَنْزَلَهُ

کَفَاکُمْ مِنْ عَظِیْمِ الْقَدْرِ ☆ اِنَّکُمْ مَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لاصَلٰوۃَ لَهُ

''اے اہل بیتؑ رسولؐ! آپ کی محبت اس قرآن میں واجب کی گئی ہے جس کو خدا نے اپنے رسولؐ پر اتارا ہے آپ عظیم المرتبت ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جو آپ پر درود نہ بھیجے اس شخص کی نماز نماز نہیں۔''

مشہور و معروف شاعر فرزدق اپنے ایک قصیدے میں کہتا ہے:

مِنْ مَعْشَرٍ حُبُّهُمْ دِیْنٌ وَبُغْضُهُمْ ☆ کُفْرٌ وَقُرْبُهُمْ مَنْجیٰ وَمُعْتَصَمْ

اِنْ عُدَّ اَهْلُ التُّقیٰ کَانُوْا اَئِمَّتَهُمْ ☆ اَوْقِیْلَ مَنْ خَیْرُ الْاَرْضِ قِیْلَ هُمْ

''امام سجادؑ اور باقی اہل بیتؑ ایسے گروہ میں سے ہیں جنکی محبت دین ہے اور جن سے بغض رکھنا کفر ہے اوران کی قربت نجات دہندہ اور رجائے حفاظت ہے۔ اگر صاحبان تقوا کو شمار کیا جائے تو یہ حضرات ان کے ائمہؑ ہیں اور اگر پوچھا جائے کہ روئے زمین پر سب سے افضل کون ہے تو اس کا جواب ہوگا ائمہ اہل بیتؑ۔

۱۔ صواعق محرقہ ص ۱۷۸ مطبوعہ قاہرہ آئین ۱۶۳

اسلامی شعرا نے اس حقیقت کو نظم کی صورت میں بھی پیش کیا ہے:

بِهٖ قَدْ اَجَابَ اللّٰهُ آدَمَ اِذَا دَعَا ☆ وَنَجىٰ فِیْ بَطْنِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ

قَوْمٌ بِهِمْ غُفِرَتْ خَطِيْئَةُ آدَمَ ☆ وَهُمُ الْوَسِيْلَةُ وَالنُّجُوْمُ الطُّلَّعُ (۱)

''ان کے وسیلے سے خدا نے آدم کی توبہ قبول کی اور نوح کو کشتی میں نجات دی ۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے وسیلے سے گناہ آدم بخش دیا گیا، وہ ہستیاں جو خدا اور درخشان ستاروں کے درمیان وسیلہ ہیں۔''

اس سلسے میں زمخشری نے کہا:

كَثُرَ الشَّكُّ وَالْاِخْتِلَافُ وَكُلٌّ ☆ يُدَّعِىْ بِاَنَّهُ الصِّرَاطَ السَّوىٰ

فَتَمَسَّكَ بِلَا اِلٰهَ اَلَّا اللّٰهُ ☆ وَحُبِّىْ لِاَحْمَدَ وَعَلِىٍّ

''شک اور اختلاف بہت زیادہ ہوگیا اور ہر شخص کا دعوی ہے کہ وہی سیدھے راستے پر ہے اور میں نے لا الہ الا اللہ سے تمسک کیا اور احمدؐ و علیؑ سے محبت کی۔''

فَازَ كَلْبُ بِحُبِّ اَصْحَابِ كَهْفٍ ☆ فَكَيْفَ اَشْقىٰ بِحُبِّ آلِ النَّبِىِّ

''اصحاب کہف کا کتا ان سے محبت کی وجہ سے کامیاب ہوگیا بھلا پھر میں آل النبیؐ سے محبت کر کے کامیاب نہ ہونگا'' (۲) پالنے والے ہم کو آل محمدؐ سے تمسک کرنے والوں میں سے قرار دے اور ان کے راستے پر چلنے والوں میں قرار دے۔

اِنَّكَ تَهْدِىْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

۱۔ کشف الارتیاب ص ۳۰۷ آیئن ۱۵۲

۲۔ کشف الارتیاب ص ۲۶۱

﴿پیش گفتار﴾

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (۱)

اور جن لوگوں نے ہمارے حق میں جہاد کیا ہے، ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے اور یقیناً اللہ ان عمل کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ یہ جہاد کی بلند ترین قسم ہے جہاں راہ خدا کے بجائے ذات خدا کے بارے میں جہاد ہوتا ہے اور مجاہد کے پیش نظر صرف جلوہ پروردگار رہتا ہے اور وہ تیز تلوار سے بے نیاز ہو کر میدان جنگ کی صفوں کے درمیان مصلیٰ بچھاتا ہے۔

اپنے راستوں کی ہدایت کرنے میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے، دنیا مجاہدین کے راستے بند نہیں کر سکتی ہے اور خدا کے پاس کچھ اپنے بھی راستے ہیں کہ جب دنیا اپنے راستے بند کر دے گی تو خداوند اپنے راستے کھول دے گا جن کا تجربہ اسلامی انقلاب میں صبح شام ہوتا رہا ہے کہ معروف راستے بند ہوتے جا رہے تھے اور جدید راستے کھلتے جا رہے تھے۔ کفر کا مزاج وطریقہ ہمیشہ ایک ہوتا ہے اور وہ دین خدا کے ساتھ فکری اور عملی تصادم رکھتا ہے اور اپنی تمام قوتوں کے ساتھ ہر زاویہ ہر حال متحد ہو جاتا ہے۔ چاہے آپس میں کتنا ہی شدید اختلاف کیوں نہ ہوں، جس طرح کہ آج کے سپر پاورز اسلامی انقلاب کے مقابلے میں بالکل متحد و متفق ہیں اگر چہ ان کے درمیان باہمی اختلافات بے تحاشہ حد تک پائے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کو نصرت الٰہی سے مایوس نہیں ہونا چاہئیے رب عالمین پہلے مصائب کے ذریعے امتحان لیتا ہے اس کے بعد صبر وثبات کے ذریعے فاتح ومظفر وغالب ومنصور بنا دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہدایت الٰہی ایسی عظیم نعمت ہے جو خداوند عالم نے اپنے بندوں کو عطا کی ہے۔

۱۔ عنکبوت آیت/ ۶۹

اور وہ اہل بیتؑ رسولؐ کی طرف رجوع کرے اور انکی پیروی گنہگار بندوں کیلئے ایک بڑی نعمت ہے جو خداوند عالم کی بخشش کی باعث ہے۔

﴿اب ہم کس طرح جہاد کریں کہ اس راہ پر گامزن رہ سکیں؟﴾

اسلام میں دو جہاد اہم ہیں، دشمن سے جہاد جسے جہاد اصغر کہتے ہیں اور دوسرا نفس سے جہاد جسے جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ ائمہ معصومینؑ کے نزدیک جہاد اکبر کی اہمیت ہے:

جہاد اکبر: اس جہاد کو کہتے ہیں جو انسان خود اپنے نفس سے کرتا ہے اور جس کے ذریعے عقیدے کی گمراہی سے نجات ملتی ہے۔

کبھی انسان اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے اور کبھی دوسروں سے۔ نفس سے جہاد کا مطلب ہے کار خیر میں سعی کرنا اور نیک لوگوں کے ہمراہ اہل بیتؑ رسولؐ خدا کے حکم کے مطابق عبادات و معاملات کو بجالانا۔ لیکن غیر کے ساتھ جہاد یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف حکمت عملی کے ساتھ تبلیغ و دعوت دینا یہ جہاد کبھی گفتار کے ذریعے اور کبھی قلم کے ذریعے کیا جاتا ہے لیکن خدا کے نزدیک قلم کا جہاد تلوار کے جہاد سے بہتر ہے۔ رسولؐ خدا فرماتے ہیں: خدا کے نزدیک عالموں اور دانشوروں کے قلم کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے۔(۱)

اس لئے کہ علماء کی تحریریں مسائل حق کو بیان اور ان کی وضاحت کرتی ہیں۔ کیونکہ بلاشبہ لوگوں کو حجت کامل اور واضح دلیل کے ساتھ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہیں اسی لئے خدا کے نزدیک یہ عمل قطعاً شہداء کے خون سے برتر ہے اگر چہ شہداء کا خون بھی نہایت مقدس ہے۔ لہذا علماء و دانشوروں کے لئے ضروری ہے کہ حقیقی اسلام کی تبلیغ کے لئے کوشاں رہیں، جدوجہد کریں اور ائمہ اہل بیتؑ سے لوگوں کو آشنا کرائیں۔ اس راہ میں مال اور وقت

۱۔ کشف الاحقار جلد۲ ص ۲۶۲ / الاسرار المرفوعہ ص ۲۰۷ = ۸۱۷

قربان کرنے میں گریز نہ کریں۔ ممکن ہے کفر والحاد اور تباہی کے مرکزوں کی بے حساب دولت سے پشت پناہی کی جارہی ہو۔

﴿اندرونی دشمن کا مقابلہ﴾

انسان کا سب سے خطرناک دشمن نفس ہے۔ اس دشمن کا مقابلہ کرنا یقیناً نہایت سخت کام ہے اس کام کے لئے مجاہدت اور ریاضت روحی و جسمی کی ضرورت ہے۔ اسی لئے احادیث میں نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرنے پر کافی زور دیا گیا ہے، ان احادیث میں سے چند احادیث یہاں بطور نمونہ پیش کی جارہی ہے:

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: لاعَدُوًّا اَعْدَی عَلَی الْمَرْءِ مِنْ نَفْسِہٖ (۱)

''انسان کے لئے اس کے نفس سے زیادہ خطرناک کوئی اور دشمن نہیں ہے۔'' ایک اور مقام پر امام المتقین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: نَفْسُکَ اَقْرَبُ اَعْدَائِکَ اِلَیْکَ (۲) ''تمہارا سب سے قریبی دشمن تمہارا نفس ہے'' امامؑ فرماتے ہیں: نَفْسُکَ عَدُوٌّ مَحَارِبٍ وَضِدُّ مَوَاثِبٍ اِنْ غَفَلْتُ عَنْهَا قَتَلَتْکَ (۳) تمہارا نفس ایک ستیزہ کار دشمن اور ایک خونخوار مخالف ہے اگر تم اس سے غافل ہوجاؤ گے تو وہ تمہیں ہلاک کردے گا۔

شیخ سعدی نے اپنی کتاب گلستان میں بیان کیا ہے کہ کسی عارف سے رسولؐ اللہ کی اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا کہ ''تمہارا نفس تمہارا سب سے بڑا دشمن اور تمہارے لئے ہر چیز سے زیادہ خطرناک ہے۔'' تو اس عارف نے جواب دیا: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی بھی دشمن کے ساتھ نیکی کروگے اور اسے وہ چیز دوگے جس کی اسے خواہش ہو تو وہ

۱۔ فہرست موضوعی غرر ص ۳۹۳

۲۔ فہرست موضوعی غرر ص ۳۹۲

۳۔ ا۔ شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۳۴

تمہارا دوست و رفیق بن جائے گا سوائے تمہارے نفس کے کیونکہ نفس کا جس قدر کہنا مانو گے اسی حساب سے اس کی عداوت بڑھتی جائے گی۔

شہید مرتضٰی مطہریؒ اپنی کتاب انسان کامل (۱) میں اس سوال کے جواب کا اس طرح تجزیہ فرمایا ہے ''وہ کونسا نفس ہے جس کا وسیلۂ شناخت تزکیہ واصلاح نفس کا پیش خیمہ اور خداوند متعال کی شناخت کا وسیلہ ہے۔؟

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ'' جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔'' نفس سے مراد یہاں نفس الہیہ، نفس ملہمہ، نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس فانیہ ہے۔ لیکن یہاں ہر ایک کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

﴿عالم ملکوتی کے مراحل﴾

یعنی وہ مجموعہ جو انسان کی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے اور عالم ناسوت اور عالم ملکوت کا جامع نیز عالم غیب و عالم شہود کا حامل بنا دیتا ہے۔ انسان کا نفس ملکوتی پہلو کے پیش نظر نغمۂ خداوندی و جلوہ الٰہی ہے جو اپنے ارتقائی سفر کے ذریعے نفس مطمئنہ، نفس راضیہ اور نفس مرضیہ کے مراحل تک جا پہنچتا ہے اور اس حد تک چلا جاتا ہے کہ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنىٰ کی منزل کو چھو لیتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے: ثم دَنىٰ فَتَدَلّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنىٰ (۲) پھر وہ نزدیک ہوا اور بہت ہی قریب یہاں تک کہ بطور تمثیل وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر یا اس سے بھی نزدیک جا پہنچا۔ بہر حال اس سورہ میں تمام ضمائر کا مرجع خود ذات پروردگار عالم ہے جس کا مشاہدہ سرکار دو عالم نے اسی طرح کیا جس طرح امیر المؤمنین امام المتقین علی علیہ السلام فرماتے ہے: لا بِمُشَاهِدَةِ الْعُيُوْنِ بَلْ بِحَقَايِقِ الْاِيْمَانِ (۳) کہ وہ حقائق

۱۔ ص ۱۱۲۷ ۲۔ سورہ النجم آیت/ ۹۷

۳۔ گفتار واعظ ص ۲۸۵

ایمان سے دیکھا جاتا ہے مشاہدہ عیون سے نہیں۔ پرہیزگاروں کے پیشوا امیر المؤمنین حضر ت علیؑ بن ابی طالب کے اس عظیم مقام کو حاصل کرلوں کہ جو نہ جنت کی لالچ میں عبادت کرتے تھے ورنہ ہی جہنم کے خوف سے اور اگر پردے اٹھ جاتے تو ان کے یقین میں اضافہ نہ ہوتا۔

فرماتے ہیں: ''اِلٰهِیْ مَاعَبَدْتُکَ خَوفاًمِنْ نَارِکَ وَلَا طَمُعاً فِی جَنَّتِکَ وَلٰکِنْ وَجَدْتُکَ اَهْلاًلِلْعِبَادَةِ''(۱)

معراج کی تفصیلات کی طرف اشارہ ہے...... اس مختصر کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

﴿ ناسوتی مراحل ﴾

انسان اپنی ناسوتی خصوصیات کی بنا پر ناقابل حد تک گر جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اُولٰئِکَ کَالْاَنعامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (۲) وہ چوپائیوں کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ (۳) ہم نے اسے سب سے نچلی منزل کی طرف لوٹا دیا۔

خلاصہ یہ کہ مجموعۂ وجود جو بظاہر صغیر ہے در حقیقت اس قدر عظیم اور وسیع ہے کہ اس نے تمام کائنات کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے اسی وجہ سے امیر المؤمنین علیؑ نے ان لوگوں کے انجام کو قطعی ہلاکت قرار دیا ہے جو اس وادی میں قدم رکھتے ہیں لیکن خودشناسی کی کوشش نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا: هَلَکَ اِمْرَءٌ لَمْ یَعْرِفْ قَدْرُهُ وہ شخص ہلاک ہوا جس نے اپنی قدر و قیمت نہیں پہچانی (۴) بے چارے انسان نے اپنی حقیقت نہیں پہچانی۔ وہ بلندی سے

۱۔ معراج السعادۃ ص ۱۵

۲۔ الاعراف ایت/ ۱۷۹

۳۔ سورۃ التین ایت/ ۵

۴۔ نہج البلاغہ صبحی صالح حکمت نمبر ۴۹

آیا تھا لیکن پستی کا شکار ہو گیا۔ انسان اپنی منزلت کے برخلاف خود کو سستے داموں فروخت کر دیتا ہے۔ اور اس مقام پر امام علیؑ فرماتے ہیں: مَنْ لَمْ یَعْرِفْ نَفْسَهُ بَعُدَ عَنْ سَبِیْلِ النَّجَاةِ وَ خَبَطَهُ فِیْ الضَّلَالِ وَالْجَهَالَاتِ (۱)

''جو شخص اپنے آپ کو نہیں پہچانتا وہ نجات کے راستے سے دور اور گمراہی و جہالت کی وادی میں غرق ہوتا ہے۔''

اس حدیث کا مقصد تزکیۂ نفس کے ذریعے دنیا و آخرت کی سعادت و خوشبختی تک رسائی ہے۔ رسائی خود شناسی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ سابقاً ذکر کیا گیا کہ معرفت نفس کی اہمیت کے بارے میں ائمہ معصومینؑ کے ارشادات میں غور و فکر اور حیرت انگیز الفاظ اور جملوں میں غور کرنا لازمی ہے

عالمین کی جانیں قربان ہوں مولائے متقیانؑ پر، آپؑ فرماتے ہیں:

اَتَزْعَمُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ ☆ وَفِیْکَ انْطَوَی الْعَالَمُ الْاَکْبَر
دَوَائِکَ فِیْکَ فَلَا تُشْعِرُوا ☆ وَدَائِکَ مِنْکَ فَلَا تُبْصِرُوا (۲)

غلام محمد فخر الدین نجفی

۱۔ فہرست موضوعی غرر ص ۳۸۷

۲۔ شمع انجمن ص ۳۴۱

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

مقدمہ

لاحول ولا قوۃ اّلاباللّٰہ العلی العظیم حسبنا اللّٰہ نعم الوکیل نعم المولی و نعم النصیر الحمد للّٰہ رب العالمین والعاقبۃ لاھل التقوی والیقین والصلوۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین حبیب الٰہ العالمین ابی القاسم محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ المعصومین الذین اذھب اللّٰہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً .سیّما الامام المنتظر الحجۃ الثانی عشرروحی وارواح العالمین لہ الفداء.

حمد وثنا خدا کے لئے اور وہی سارے عالم کا پروردگار ہے اور اعلیٰ ترین درود وسلام پروردگار عالم کی جانب سے برگزیدہ ومنتخب حضرت ابوالقاسم محمد بن عبداللہؐ پر ہو جو عالمین کے لئے بشیر ونذیر اور رحمت ہیں، ہمارے سید وسردار اور اللہ کے رسول وامین ہیں اور رسولؐ اعظم کی عترتؑ طاہرہ پر جو ہدایت واقعی کی نشانی، گمراہی اور ضلالت سے نجات کی مشعل، امت مرحومہ کا سہارا اور کشتیِ نجات ہیں۔ خداوند عالم نے محمدؐ وآل محمدؑ کی برکت وطفیل سے اپنے بندگان پر بہت بڑا احسان کیا کہ حق وحقیقت شناسی کے لئے قرآن وعترتؑ جیسی دوگراں قدر چیزیں عطا کی جس کے بعد کوئی گمراہی اور ضلالت نہیں ہے۔ اس بات میں شک کی گنجائش نہیں کہ انسان خوشبختی، کامیابی، ترقی جسمی وروحی اور صحت وسلامتی کا متلاشی ہے اور اس مقصد تک رسائی کی خاطر ہر کوئی ایک خاص راستے اور طریقے کا انتخاب کرتا ہے۔

کامیابی کا حقیقی راستہ قرآن واہل بیتؑ کی تعلیمات ہیں، جس سے حوزہ علمیۂ قم محضر معصومہؑ میں فقہاء ومراجع عظام وطلاب کرام سیراب ہو رہے ہیں ہمیں اپنے آپ کو ہلاکت جہنم سے نجات دیا اور مسلمان واقعی کا جز بن گئے جن کی تعداد سوائے خدا کے اور کوئی

نہیں جانتا ہے۔خدا فرماتا ہے:

كَذَالِكَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَشَاءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْ دُ رَبِّكَ اِلَّا هُوْ (۱)

''اسی طرح جس کو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اس کی فوج کو اس کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔''

دنیا کے کونے کونے سے لوگ تحصیل علوم و آگاہی کیلئے یہاں حوزۂ علمیہ قم میں آیات عظام اور دانشمندان ومراجع تقلید سے مل رہے ہیں اور کسب فیض کررہیں ہیں اوران کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور ہمیں اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ فرج الٰہی نزدیک ہے اور اس کا وعدہ سچا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں میں اس آیت کو عرض کرنا چاہتا ہوں اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْ خُلُوْا الْجَنَّةَ...... (۲) کیا تمہارا خیال ہے کہ تم آسانی سے جنت میں داخل ہوجاؤ گے جبکہ ابھی تمہاری حالت سابق امتوں کی جیسی نہیں ہوئی جنھیں فقرو فاقہ اور پریشانیوں نے گھیر لیا تھا اور اتنے جھٹکے دئے گئے تھے کہ خود رسولؐ اور ان کے ساتھیوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ آخر خدائی امداد کب آئے گی۔تو آگاہ ہوجاؤ کہ خدائی امداد بہت قریب ہے۔اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (۳) فطری اعتبار سے سارے انسان ایک ہی قوم میں شمار ہوتے تھے پھر اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے انبیاءؑ بھیجے اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کریں اور اصل اختلاف انہیں لوگوں نے کیا ہے جنھیں کتاب مل گئی اور ان پر آیات واضح ہوگئیں صرف بغاوت اور تعدی کی بناء پر تو خدا

۱۔سورۃ مدثر آیت/۳۱ ترجمہ علامہ ذیشان ص ۱۱۷۵

۲۔بقرہ آیت/۲۱۴ ترجمہ علامہ ذیشان ص ۹۹

۳۔آیت نمبر ۲۱۲

نے ایمان والوں کو ہدایت دے دی اور انہوں نے اختلافات میں حکم الٰہی سے حق دریافت کرلیا اور وہ تو جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔ مراد اور مصداق قرآن اور اہل بیتؑ ہے جن کی اطاعت میں بغاوت کی گنجائش نہیں ہے وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ظاہر آیت سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سارے انسان ایک قوم اور ایک مذہب پر تھے تو انبیاءؑ اور کتابوں کی ضرورت ہی کیا تھی اور کیا یہ اختلافات انہیں سے پیدا ہوئے؟اس کا جواب فخر الدین رازی نے بڑے سائز کے سات صفحات میں اور صاحب المنار نے ۲۲ صفحات میں دیا ہے۔

لیکن واضح سی بات ہے کہ پروردگار نے سارے انسان کو ایک صاف اور سادہ فطرت پر پیدا کیا تھا لیکن اس میں اختلاف کے بہت سے پہلو تھے صلاحیتوں کا اختلاف، علم وتمدن کا اختلاف، مزاج اور طبیعت کا اختلاف اور سب سے خطرناک مفادات کا اختلاف تھا۔ انسان نے انہیں بنیادوں کی بناء پر اختلاف کیا اور روز اول ہی قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا تو رب العالمین نے شریعتوں کا سلسلہ شروع کردیا تا کہ اختلاف کا حل نکالا جائے۔ اس لئے کہ جس خدا نے انسانوں کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا تھا اس پر واجب تھا کہ ان اختلافات میں حق کا راستہ واضح کردے۔ چنانچہ انبیاءؑ کرام نے یہ کام کیا۔اب جو صاحبان ایمان تھے انہوں نے سیدھا راستہ پالیا اور جو بدنفس اور مفاد پرست تھے انہوں نے اس راستے کو ٹھکرادیا اور یہ ٹھکرادینا صرف ہٹ دھرمی اور بغاوت کی بناء پر تھا ورنہ انبیاءؑ اور شریعتوں کی ضرورت اور آمد کا احساس سب کو تھا۔ بعض لوگ حماقت کی بناء پر جنت حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اوران کا خیال ہے کہ جنت بلاکسی زحمت کے حاصل ہوجاتی ہے۔ پروردگار عالم نے سخت ترین حالات کا حوالہ دے کر واضح کردیا ہے کہ جنت خیرات نہیں ہے بلکہ امتحان کا نتیجہ ہے۔ جب امتحانات میں سابق امتوں کے پیغمبر نصرت الٰہی کی دعا طلب کرنے لگے تو تمہاری کیا حقیقت ہے۔ انسان کو اسی بیم ورجاء کے درمیان زندگی

گزارنی چاہئیے کہ جنت ایک حقیقت ہے اوراس میں انسان ہی داخل ہوں گے ۔لیکن امتحان وآزمائش اورصبروتحمل کے بعد۔ کیونکہ بہشت بہاء چاہتی ہے نہ بہانہ۔

البتہ انسانی معاشرہ پہلے مرحلے میں بالکل سادہ اورمتفرق تھا پھرتکامل حیات کے لئے اجتماعیت پیدا ہوئی۔ اجتماعیت نے مفادات میں تصادم پیدا کردیا۔ مفادات کے تصادم نے رہبری کی ضرورت ایجاد کی۔ رہبری نے فطرت بشر کے اعتبار سے بشارت اورانذار کا راستہ اختیار کیا اوراس کے بعد بغاوت کرنے والے صرف وہ بدبخت تھے جنہیں ان واضح ہدایت سے بھی کوئی راستہ نہ مل سکا کیونکہ جہل اور بغاوت سبب بنا۔(۱)

جب لوگوں کوانبیاءؑ کے ذریعے قانون حیات دیا گیا تو انہیں لوگوں نے اختلاف کی بنیاد ڈال دی جنہوں نے فطری راہوں سے سرکشی کرنا سیکھا تھا۔قانون حیات نافذ کرنے سے پہلے کا اختلاف فطرت سے بغاوت تھی اورقانون حیات نافذ کرنے کے بعد کا اختلاف شریعت سے بغاوت تھی ۔کیونکہ شریعت کے ذریعے لوگوں کوفطرت کی طرف لوٹانا مقصود تھالہذا شریعت کا باغی فطرت کا باغی ہے۔(۲)

﴿ایک غلط تصور کا ازالہ﴾

تصوریہ ہے کہ لوگ اسلام قبول کرنے کو ہرچیز کے لئے کافی سمجھتے ہیں حتی کہ طبیعی علل واسباب کے لئے بھی اسلام کوکافی سمجھتے ہیں لہذا توقع رکھتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد اب بغیر کام کاج کے کامیابیاں ہمارے قدم چومیں گی۔ جبکہ قانون خداوندی یہ ہے کہ مفت میں کوئی کامیابی نہیں ملتی کیونکہ اگر مفت میں ملے تو سب کوملنی چاہیے اورسب کو مل جاتی ہے تو بغیر استحقاق اوراہلیت کے بھی ملے گی اور یہ ایک عبث کام بن جاتا ہے۔اس لئے حکمت الہی

۱۔ترجمہ علامہ شیخ محسن علی نجفی ص ۳۴

۲۔ترجمہ علامہ شیخ محسن علی نجفی ص ۲۱۴

کے تحت یہ ضروری ہوا کہ کامیابی کے راستوں کو اتنا دشوار بنایا جائے کہ لوگ چیخیں کہ مَتـٰـی نَـصْرُ للّٰهِ اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ تا کہ استحقاق اور اہلیت والے ہی مَتیٰ نَصْرُ للّٰهِ سے آگے کی منزل تک پہنچ سکیں (۱)

بے شک آگاہ ہو جاؤ خدائی امداد بہت قریب ہے اور مؤمنین کو بشارت دیدے کہ خدا کی نصرت قریب ہے جو زمین کی اصلاح کرے گا اور پوری دنیا بڑے صبر وسکون سے اس ظہور کا انتظار کر رہی ہے۔ اس لئے ہمارے رسولؐ اکرم حبیب خدا نے اس ہستی کا نام المہدی المنتظر (عج) رکھا ہے اور ان کے آنے کی بشارت دی ہے۔ جب تمام مسلمان مہدیؑ کے قائل ہیں، خواہ پیدا ہونگے پھر ظہور کریں گے یا پیدا ہو چکے ہیں اور غیبت کے بعد ظہور کریں گے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ظہور مہدیؑ تمام مسلمانان عالم، جو ذی شعور ہیں، کے درمیان اتفاق ہے اور یہ کوئی خرافاتی عقیدہ نہیں ہے اور نہ افسانوی چیز ہے۔ جیسا کہ کچھ بے وقوف اور بے عقل لوگ اسی بات کو باور کرانا چاہتے ہیں، بلکہ مہدیؑ ایک حقیقی اور واقعی شخصیت کا نام ہے جس کے ظہور کی بشارت خود رسولؐ خدا نے دی اور پوری امت اسلام کو آگاہ کیا ہے بلکہ تعجب یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ بھی ایک نجات دہندہ کے قائل ہیں بلکہ ہندو اور اہل ہنود بھی۔

۱۔ ترجمہ علامہ شیخ محسن علی نجفی۔ ص ۳۵

خداوند عالم فرماتا ہے: اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدٰاهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِکَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابْ (۱) اے پیغمبرؐ! میرے بندے جن باتوں کو سنتے ہیں اور جو بات اچھی ہوتی ہے اس کا اتباع کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے اور وہ لوگ ہیں جو صاحبان عقل ہیں، جو بہتر کی تلاش میں رہتے ہیں اور جن لوگوں نے اپنی عقلوں اور شعوروں کو کنارے چھوڑ دیا ہے اور جہل و نادانی کو اختیار کیا ہو تو بالآخیرہ عذاب کے مستحق ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق فرماتا ہے: فَاعْتَرِفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِاَصْحَابِ السَّعِیْرِ غرض انہوں نے خود اپنے گناہ کا اقرار کرلیا تو اب جہنم والوں کے لئے تو رحمت خدا سے دوری ہے اور پھر کہیں کے کہ اگر ہم بات سن لیتے اور سمجھے ہوتے تو آج جہنم والوں میں نہ ہوتے (۲) اور انہوں نے کہا اگر ہم سنتے یا سمجھتے، معرفت اور عقل رکھتے تو ہرگز جہنمیوں اور دوزخیوں کا حصہ نہ بنتے۔ آیہ شریفہ میں لفظ سحق سے مراد یہ ہے کہ رحمت خدا سے دوری وخشیت۔ وہ خوف جو دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور اس کا مظاہرہ کردار کی شکل میں ہو سکے۔ بے معرفتی کا خوف وخشیت الٰہی کہے جانے کا قابل نہیں ہے۔ رسولؐ اور امیر المومنینؑ کے فرمائشوں میں واضح ثابت ہیں کہ اصول وارکان دین اسلام پانچ شی پر ہیں۔ عقل اور ایمان تقویٰ ومعرفت اور خلوص۔ لہٰذا پیغمبرؐ نے فرمایا: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (۳) جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

۱۔ النجم ایت/۹۵۳

۲۔ سورہ ملک ایت/۱۰

۳۔ الحجۃ البیضا/ ج ۱ ص ۹۸

نفس سے مراد وہ مجموعہ جو انسان کی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے اور اسے عالم ناسوت و عالم ملکوت کا جامع نیز عالم غیب و عالم شہود کا حامل بنا دیتا ہے۔ انسان کا نفس اس کے ملکوتی پہلو کے پیش نظر نغمہ خداوندی ہے جو اپنے ترقی وارتقائی بحر عروج وسعود سفر کے واسطہ و ذریعے نفس مطمئنہ نفس راضیہ اور مرضیہ کے مرحلے تک جا پہنچا تا ہے اور اس حد تک چلا جاتا ہے کہ قاب قوسین اوادنیٰ کی منزل کو چھولیتا ہے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے ثُمَّ دَنیٰ فَتَدَلیٰ اوادُنیٰ قَابَ قَوْسَیْنِ (۱) پھر وہ نزدیک ہوا اور بہت ہی قریب یہاں تک کہ بطور تمثیل وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر یا اس سے بھی زیادہ نزدیک جا پہنچا ۔ یہ وہی صفات مذکورہ ہیں کہ ہر ایک کو بیان کرنا اس مختصر میں گنجائش نہیں صرف ایک دو روایات پر اکتفا کروں گا۔ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا فرمان ہے اَفْضَلُ الْمَعْرِفَۃُ مَعْرِفَۃُ لِانْسَانِ نَفْسَہٗ (۲) سب سے بہترین معرفت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو پہچا لے۔ اسی وجہ سے امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے لوگوں کے انجام کو قطعی طور پر ہلاکت قرار دیا ہے، جو اس وادی میں قدم رکھتے ہیں۔ لیکن خود شناسی کی کوشش نہیں کرتے آپ نے فرمایا: ھَلَکَ اِمْرَوٌ لَمْ یَعْرَفْ قَدَرَہٗ وہ شخص ہلاک ہوا جس نے اپنی قدر و قیمت نہیں پہچانی (۳) ایک اور مقام پر امام علی علیہ السلام خود شناسی کے مسئلے پر توجہ نہ دینے پر اس کو ضلالت اور گمراہی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: مَنْ لَمْ یَعْرِفْ نَفْسَہُ بَعْدَ عَنْ سَبِیْلِ النَّجَاۃِ وَخَبَطَ فِیْ الضَّلَالِ وَالْجَھَالَاتِ (۴) جو شخص اپنے آپ کو نہیں پہچانتا وہ نجات کے راستے سے دور اور گمراہی اور جہالت کی وادی میں غرق ہوتا ہے۔

۱۔ سورۃ النجم آیہ ۸/۹

۲۔ فہرست غررص ۳۸۷

۳۔ نہج البلاغہ صبحی صالح حکمت شمارہ نمبر ۱۴۹ ۴/۔۱۔ فہرست موضوعی غررص ۳۸۷

رسولؐ خدا نے فرمایا: اِنَّمَا مَثَلُ اَهْلَ بَیْتِی فِیْكُمْ مِثْلُ سَفِیْنَةِ نُوْحٍ فِی قَوْمِهٖ مَنْ رَكِبَهَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ میرے اہل بیتؑ کی مثال تمہارے درمیان کشتی نوحؑ کی طرح ہے قوم نوح میں۔ جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا جو الگ رہا وہ ڈوب گیا۔

ابن حجر نے صواعق محرقہ میں فرمایا ہے جو ان کی مخالفت کرے گا وہ کفران نعمت کے سمندر میں غرق اور ڈوب جائے گا اور طغیان کے جنگلوں میں ہلاک ہو جائے گا۔ بہر حال اہل سنت کی معتبر و مستند کتابوں کے معتبر راویوں کے حوالے درج ذیل ہیں:

۱۔ مستدرک ج ۲ ص ۱۵۱ ۲۔ تلخیص الذہبی ۳۔ ینابیع المودۃ ص ۳۰ و ۳۵۰ ۴ صواعق محرقہ ص ۱۸۴ و ۲۲۴ میں رقم طراز ہے لہٰذا آپ دانشمندان و محققین ملاحظہ فرمائیں۔ بنا بر این جو شخص خود شناسی کی کوشش نہیں کرتا اور مسئلے پر توجہ نہیں دیتا اور آل النبیؐ سے تمسک نہ کیا تو گویا اسے اپنی قدر و قیمت کی کوئی علم و معرفت نہیں ہے وہ گمراہی میں ہلاک ہو جائے گا۔

مولانا رومی کہتے ہیں:

خویشتن نشاخت مسکین آدمی — از فزونی آمد و شددر کمی

خویشتن را آدمی ارزاں فروخت — بو دا طلس خویش بر دلقی بدوخت

بے چارے انسان نے اپنی حقیقت کو نہیں پہچانی وہ بلندی سے آیا تھا لیکن پستی کا شکار ہو گیا۔ انسان نے اپنے آپ کو سستے داموں میں فروخت کر دیا اس کی مثال اس مخمل کی سی تھی جو ٹاٹ میں بطور پیوند لگ گیا۔ قرآن میں ۴۷ آیات نعمت کو پہچاننے کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں (۱) خدا فرماتا ہے: یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا (۲) یہ لوگ خدا کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر دیدہ دانستہ ان سے بگڑ جاتے اور انکار کرتے ہیں اور ان کی

۱۔ سورہ النحل آیت ۸۳/ علامہ ذیشان حیدر جوادی ص ۵۸۵

۲۔ سورہ النحل ۸۳ علامہ فرمان علی نجفی ص ۳۸۱

اکثریت کافر ہے۔ بظاہر ان نعمتوں سے مراد جناب رسالت مآبؐ اور ان کے اوصیاءِ معصومؑ ہیں جو ان کا انکار کرتے ہیں اکثریت کافر ہیں۔ آیت ۸۳ میں ثم کا استعمال دلیل ہے کہ عرفان نعمت انکار سے مانع ہوتا ہے لیکن دوسرے گمراہی کے عوامل عمل کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ انسان ان سے مغلوب ہو کر انکار کر دیتا ہے جس طرح کہ نعمت نبوت وولایت وامامت کا انکار کیا گیا ہے کہ اس کا سبب بھی سیاسی اور دنیاوی عوامل واسباب ہیں (۱) کہ انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (۲) اور یقیناً ہم نے انسان وجنات کی ایک کثیر تعداد کو گویا جہنم کے لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں اور آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں ہیں کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں یہ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ اصل میں غافل ہیں۔

آیات الہی سے انکار کرنے والوں کا آخری انجام جہنم ہے۔ اور انکی علامت یہ ہے کہ خدائی صلاحیت کو بروئے کار لا کر حق کی معرفت حاصل نہیں کرتے۔ رب العالمین اتمام حجت کے لئے آنکھ کان اور دل تینوں کا حوالہ دیا ہے۔ اور رسول اکرم نے بھی غدیر خم وغیرہ میں حضرت علیؑ کے دست مبارک کو بلند کر کے من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کی صدا بلند کیں تا کہ آنکھیں دیکھ لیں کان سن لیں اور دل سمجھ لیں کہ علیؑ مولا اور حاکم ہو گئے۔ شریعت اسلام نے بھی تین اشیاء کو سند اور حجت قرار دیا ہے، قول معصومؑ، فعل معصومؑ اور تقریر معصومؑ۔ قول کا تعلق سننے سے ہے، فعل کا تعلق دیکھنے سے ہے اور تقریر معصوم وسکوت

۱۔ علامہ فرمان علی نجفی ص ۵۸۵

۲۔ علامہ ذیشان حیدر جوادی ۳۸۱

کا تعلق سمجھنے سے ہے۔انسان اگر ان تینوں صلاحیتوں سے کام نہ لے تو اس کا انجام جہنم ہے اور گویا اسے جہنم ہی کے لئے پیدا کیا گیا۔ اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (۱) سے مراد و مصداق اصحاب خاص رسول و مومنین ہے۔ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (۲) سے مراد و مصداق منافقین متحجرین اور ظالمین ہیں۔ان سب کے باوجود میں نے اپنی کتاب میں روشن دلیلوں کو پیش کیا ہے اس کے برخلاف بعض ایسے ہیں خدا انہیں معاف کرے گا یا وہ عقل و دماغ سے نہیں پڑھتے بلکہ احساسات سے مطالعہ کرتے ہیں لذا جو ان کے منشاء کے مطابق ہوگا اور انکی خواہشات سے میل کھاتا ہے اسے پڑھتے ہیں۔اس لئے انھوں نے طے کرلیا ہے کہ جو چیز بھی ان کے عقیدہ کے مخالف ہو اسکی مخالفت کریں اور جو کچھ انکی خواہشات کے مطابق نہیں ہے اسکی اہانت کریں بہر حال ہم ان مومنین میں سے ہیں جو مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں اور ہمیشہ اس کوشش میں ہیں کہ ان کو ہدایت کی طرف رہنمائی کریں۔وہی ہدایت جو رسول اللہ نے فرمائی ہے ''کشتی'' نجات ہے میرے اہل بیتؑ۔لہٰذا ہمیں آخر تک نا امید نہیں ہونا چاہئے۔خدا فرماتا ہے:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اور مرتے دم تک انہیں خیر خواہ، خوشبختی کی طرف دعوت دینا چاہئے جو سوائے راہ و راستہ جاویدانی جنت کے اور کچھ نہیں ہو سکتی۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: خدا اس شخص پر رحم کریں جو حق کو دیکھتا ہے تو اس کی مدد کرتا ہے اور باطل کو دیکھے تو اسے ٹھکرا دے اور صاحب حق کا حق کے ساتھ معین و مدد گار'' (۳) آپؑ مزید فرماتے ہیں: ''تمہارے لئے اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیاں

۱۔علامہ فرمان علی نجفی ص ۳۸۱ آیت ۱۸)

۲۔علامہ فرمان علی نجفی ص ۱۱۵۷ آیت ۱۰ ۳۔نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۵

دینے والے ہو جاؤ، البتہ اگر تم انکے نقش و کرتوت کھولواوان کے اعمال اور حالات کا تذکرہ کرو تو یہ صحیح طریقہ کار ہوگا کہ تم گالی گلوچ کے بجائے یہ کہو کہ خدایا ہمارا بھی خون محفوظ رکھ اور ان کا بھی اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کر اور انہیں گمراہی سے ہدایت کی طرف لا تا کہ حق سے بے خبر حق کو پہچان لے اور گمراہی و سرکشی کے شیدائی اس سے اپنا رخ موڑ لے، صحیح حالات پیش کرو تو یہ ایک ٹھکانے کی بات ہے۔(۱) فرماتے ہیں :شِیعَتنَا ذَیناً وَلَا تکُوْنُ عَلَینَا شَیناً ''میرے شیعو! میرے لئے زینت بنتا نہ کہ میرے لئے باعث عار و ننگ بنے۔'' میں نے اپنی گذشتہ کتاب میں اسی روش کو اختیار کیا ہے جیسے امیر المومنین نے اپنے شیعوں کو تعلیم و توصیہ دیا ہے لہٰذا میں ہرگز گالی دینے والے اور نا سزا کہنے والوں میں سے نہیں ہوں خدا اور رسولؐ نے قاتلوں، ظالموں، نا سزا دینے والوں اور منافقوں کی مذمت کی ہے میں نے جن مستند اور معتبر کتابوں سے روایات نقل کی ہیں امید ہے حق سے نا آشنا حق کو پہچان لیں گے اور حق و حقیقت کی معرفت درک کریں گے

میں پروردگار عالم سے دعا کرتا ہوں کہ پوری امت محمدؐ کو متحد کر دے تا کہ یہ خیر امت ہو اور امام مہدیؑ کی قیادت میں دنیا کو نور و ہدایت کی طرف رہنمائی کرے جیسا کہ امام زمانہؑ کے جد بزرگوار نے فرمایا ہے کہ: مہدیؑ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح پر کر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے پر ہو چکی ہوگی تا کہ وعدہ الٰہی پورا ہو ۔اَللّٰھُمَّ عَرِّفْنِیْ نَفْسَکَ فَاِنَّکَ اِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِیْ نَفْسَکَ لَمْ اَعْرِفْ رَسُوْلَکَ اَللّٰھُمَّ عَرِّفْنِیْ رَسُوْلَکَ فَاِنَّکَ اِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِیْ رَسُوْلَکَ لَمْ اَعْرِفْ حُجَّتَکَ اَللّٰھُمَّ عَرِّفْنِیْ حُجَّتَکَ فَاِنَّکَ اِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِیْ حُجَّتَکَ ضَلَلْتُ عَنْ دِیْنِیْ اَللّٰھُمَّ لَا تُمِتْنِیْ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّلْ فَرَجَھُمْ وَاجْعَلْنَا مِنْ اَتْبَاعِھِمْ وَاَعْوَانِھِمْ.

....

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۶

غلام محمد فخر الدین

حصہ اول

﴿حصہ اول: پسندیدہ دین﴾

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاَسْلَامُ (۱)

''اللہ کے نزدیک دین، صرف اسلام ہے'' اور جنہیں کتاب دی گئی انہوں نے علم حاصل ہو جانے کے بعد آپسی زیادتی کی وجہ سے اختلاف کیا اور جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتا ہے بے شک اللہ اس سے جلد حساب لینے والا ہے۔

مولائے متقیان حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں: لَأَنْسِبَنَّ الْأَسْلَامَ نِسْبَۃً لَمْ یَنْسِبْھَا اَحَدٌ قَبْلِیْ. الْأَسْلَامُ ھُوَ التَّسْلِیْمُ ،التَّسْلِیْمُ ھُوَ الْیَقِیْنُ وَالْیَقِیْنُ ھُوَالتَّصْدِیْقُ وَالتَّصْدِیْقُ ھُوَالْأِقْرَارُوَلْأِقْرَارُھُوَ الْأَدَاءُ وَالْأَدَاءُ ھُوَالْعَمَلُ (۲) ''میں اسلام کی تعریف کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کی: اسلام تسلیم ہے اور تسلیم یقین ہے، یقین تصدیق ہے، تصدیق اعتراف ہے، اعتراف فرض کی ادائیگی سے ہوتا ہے اور فرض کی ادائیگی عمل ہے''۔ ہر زمانے میں انسان کو نجات کا راستہ دکھانے والا ایک ہی دین اللہ کی طرف سے آتا رہا ہے جو دین اسلام ہے۔ اس دین واحد میں اہل کتاب نے اختلاف پیدا کیا، اس کی وجہ ان کی لاعلمی نہیں تھی، وہ جانتے تھے کہ دین الٰہی میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ ان کی بے حد جاہ پرستی تھی۔

ادیان عالم کے ماہرین جانتے ہیں کہ ۳۲۵ء میں قسطنطنیہ کے بادشاہ نے مسیحی مذہب کے توحید پرستوں پر کفر والحاد کا فتویٰ لگایا ان کی کتابوں کو نذر آتش کیا جب تثلیث پر مبنی مذہب کی جڑیں مظبوط ہوگئی تو ۶۲۸ء میں ایک قانون کے ذریعہ ان توحید پرستوں کی نسل کشی کی گئی (۳) یہ دلیل ہے کہ اصل دین اطاعت الٰہی ہے اور اس کا پیغام

۱۔ العمران/۱۸

۲۔ نہج البلاغہ ۳۔ مراغی ج ۳: ص ۱۲۰

سارے انبیاء کرام نے دیا ہے لہذا سب کا دین اسلام ہے جیسا کہ نوحؑ سے لیکر جناب عیسیٰ تک کے تمام تذکروں میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ نیز رسول اکرم کی رسالت ونبوت اور ولایت علی بن ابی طالبؑ کا ذکر ہے۔اس کا انکار ایک نئی دین کی تلاش ہے اور یہ کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی کہ ساری کائنات خداوند کریم کے سامنے سربسجود رہے اور خدا ہی نے پیغمبرؐ اسلام کو پیغمبر بنایا ہے اور دوسرا کہاں سے لایا جائے گا جو اس نبوت ورسالت اور ولایت کو واپس لے لے یا دوسرے کو نبی یا ولی بنادے۔واضح رہے کہ قرآن حکیم نے نمائندہِ پروردگار کی یہی علامت قرار دی ہے کہ وہ بت پرست، منافق ونفس پرست نہیں ہوتا بلکہ تمام معنی میں کاملاً خدا پرست ہوتا ہے اور اسی لئے سرکار دوعالمؐ نے صحابی کو اپنے لئے سجدہ کرنے سے منع کردیا اور جناب امیر المومنین علیؑ نے نصیری کو قتل کرکے اس کی لاش کو جلادیا کہ اپنے کو خدا کے عقیدہ کو برداشت کرنا نمائندگی کے خلاف اور اس کے منافی ہے۔(۱)

☆☆☆☆☆

ا۔سورہ آل عمران آیت ۱۸/ ۱۵۳، ن۵۴و۸۳ علامہ ذیشان حیدر جوادی

اسلام دین فطرت ہے

اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصَّالِحَاتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْراً كَبِيْراً (۱) بیشک یہ قرآن اس راستہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ان صاحبان ایمان کو بشارت دیتا ہے جو نیک اعمال بجالاتے ہیں کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

عرب فال نیک وبد کے لئے طائروں کا استعمال کرتے تھے۔قرآن مجید نے بھی نامہ ءاعمال کو طائر سے تعبیر کیا جس سے اچھائی یا برائی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔اسلام نے بدشگونی سے منع کیا ہے لیکن بدعملی کو بدشگونی میں شامل کیا ہے۔قرآن فرماتا ہے کہ: مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَاداً لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ رباني کسی بشر کے لئے یہ مناسب نہیں ہے خدا اسے کتاب وحکمت اور نبوت اور رسالت وولایت عطا کردے اور پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر ہمارے بندے بن جاؤ بلکہ اس کا قول یہی ہوتا ہے کہ اللہ والے بنو کہ تم کتاب کی بھی تعلیم دیتے ہوا ے پڑھتے بھی رہتے ہو۔

ربانی کی جمع ہے ربانین یعنی اللہ والا اور اس کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو کتاب الٰہی پڑھتا بھی ہے اور دوسروں کو درس بھی دیتا ہے۔بے عمل اور بے پڑھا لکھا انسان عالم ربانی نہیں کہا جا سکتا۔عالم بے عمل کشجر بلاثمر ہوتا ہے۔اسلام قابلیت اور ثروت مند کا طلب گار نہیں ہے بلکہ خدمت دین اور رسالت و ولایت کا طلب گار ہے۔

ا۔آل عمران آیت ۹ص ۵۹۸ علامہ ذیشان حیدر جوادی

۲ آل عمران آیت ۷۹ ص ۱۵۲ ترجمہ علامہ ذیشان حیدر جوادی

قرآن مجید ایک سیدھے ایک ایسے راستے اور صراط مستقیم کی رہنمائی کرتا ہے جس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسلام دین فطرت ہے اور اس کے تمام احکام فطرت انسانی کے مطابق ہیں۔

۲۔ اسلام علم پر ایمان رکھتا ہے اور جہالت اور اندھی تقلید کی شدید مخالفت کرتا ہے۔

۳۔ اسلام عقل کو دعوت فکر دیتا ہے اور آنکھ بند کر کے ایمان قبول کرنے کی دعوت نہیں دیتا

۴۔ اسلام آزادی فکر کا حامل ہے اور ہر شخص کو اپنی بات کہنے کی اجازت دیتا ہے

۵۔ اسلام کسی فرد یا جماعت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اس ایک آفاقی اور کائناتی نظام ہے

۶۔ اسلام جہاد کی دعوت دیتا ہے اور ذلت کی زندگی سے عزت کی موت کو بہتر قرار دیتا ہے۔

۷۔ اسلام پہلے ساری ملکیت کو خدا کے لئے قرار دیتا ہے اور پھر وہی سے ملکیتوں کو تقسیم کرتا ہے۔

۸۔ اسلام زندگی کے ساتھ چلتا ہے اور ہر دور کے حالات کے اعتبار سے قوانین میں امکانی راہ موجود ہے اور ہر دور کے حالات کے اعتبار سے قوانین میں نظر ثانی کی اجازت دی ہے اسلام احکام میں سخت گیری کے سخت مخالف ہے قرآن نے منافقین کی بہت مذمت کی ہے مترفین صرف مالداروں ہی کا نام نہیں ہے بلکہ عیش پرستوں کا نام بھی ہے جیسے کہ دور حاضر کے بعض مسلمان بادشاہوں اور لٹیروں کا حال ہے۔ قرآن مجید میں مترفین کا ذکر آٹھ مقامات پر آیا ہے اور ہر جگہ مذمت کیساتھ آیا ہے۔ مترفین کی وجہ سے سارے قریہ وملک کی تباہی کا راز شاید یہ ہے کہ اہل قریہ ان کو برداشت کرتے ہیں اور ان کے خلاف آواز بلند نہیں کرتے ہیں انہیں ووٹ دیتے ہیں اور اس طرح سب ان کے شریک ظلم اور پھر مستحق عذاب ہو جاتے ہیں۔ اسلامی روایات میں وارد ہوا ہے کہ حق کے بارے میں چپ رہنے والا گونگے شیطان کے مانند ہے اور ظلم پر راضی ہو جانے والا خود بھی ظالم ہے۔(۱)

۱۔ص ۵۹۹ علامہ ذیشان حیدر جوادی

قرآن کے مطابق ہر قوم کی تباہی اس کے مراعات یافتہ طبقہ مترفین اور منافقین کی طرف سے آتی ہے۔ وہ تمام تر وسائل اور سہولیات کو اپنا حق تصور کرتے ہیں اور محروم وضعیف طبقہ کے حقوق کو پامال کرتے ہیں یہاں سے بقائے باہمی کا توازن بگڑ جاتا ہے اور قوم ہلاکت کا شکار ہوتی ہے۔ قرآن میں واضح طور پر ہے کہ ہر انسان کی سعادت وشقاوت وحسن وقبح، کامیابی وناکامی نیز اچھی عاقبت یا برے انجام کا دارومدار اسی کے اپنے عمل پر ہے (۱) وہ اپنے عمل کے ہاتھوں اسیر ہے اور اپنے عمل ہی کے ذریعے آزاد ہوسکتا ہے وہ خیر اور شر کے دروازے اپنے عمل کی کنجی سے کھول سکتا ہے قیامت کے دن اس کے اعمال کھلی کتاب کی شکل میں اس کے سامنے رکھ دئے جائیں گے قرآن مجید میں ہے کہ وَكُلَّ اِنسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا (۲) اور ہم نے ہر انسان کا نامۂ اعمال اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کیلئے ایک کتاب پیش کریں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا پڑھ اپنا نامہ اعمال آج اپنے حساب کے لئے تو خود ہی کافی ہے مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ...... (۳) جو ہدایت حاصل کرتا ہے جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنے ہی خلاف گمراہ ہوتا ہے اور کوئی بوجھ نہیں اٹھاتا، اور جب تک ہم کسی رسول کو مبعوث نہ کریں غذاب دینے والے نہیں ہیں اور جب ہم کسی بستی کو ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کے (مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا) عیش پرستوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس بستی میں فسق وفجور کا ارتکاب

۱۔ قرآن مجید ترجمہ علامہ محسن علی نجفی

۲۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۳

۳۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۳

کرتے ہیں تب اس بستی پر عذاب لازم ہو جاتا ہے پھر ہم اسے پوری طرح تباہ کر دیتے ہیں اور نوحؑ کے بعد کتنی نسلوں کو ہم نے ہلاکت میں ڈال دیا اور تمہارا رب ہی اپنے بندوں کے گناہوں پر آگاہی رکھنے اور نگاہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

تاریخ عالم کا آغاز نوحؑ کے بعد ہوا۔ اس دور میں انسان نے تمدن میں قدم رکھا شریعت بنی اور سرکشیاں ہوئیں۔ اس لئے ہلاکتیں بھی نوحؑ کے بعد کی نسلوں میں آئیں۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْرًا (۱) ''اور جو شخص آخرت کا طالب ہے اور اس کے لئے جتنی سعی درکار ہے وہ اتنی سعی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو ایسے لوگوں کی سعی مقبول ہوگی''۔

قرآن مجید نے بار بار یہ واضح کیا ہے کہ نہ تنہا ایمان باعث نجات ہے اور نہ تنہا عمل۔ ''آخرت کے طلبگاروں کا فرض ہے کہ صاحبان ایمان بھی ہوں اور آخرت کے لئے سعی بھی کرتے رہیں تاکہ ان کی سعی قابل قبول ہو یہ بہترین نکتہ ہے کہ متعدد خداؤں کے ماننے والوں کی طرف سے سارے خدا بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور وہ لاوارث رہ جاتا ہے ہر خدا اسے دوسرے خدا کے حوالے کر دیتا ہے جو دور حاضر میں بہت سے مسلمان حکام کا حشر ہو رہا ہے کہ وہ ہر بڑی طاقت کو خدا بنائے ہوئے ہیں اور سب انھیں ذلت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ سعی مشکور، جنت سے کہیں زیادہ قیمتی ہے کہ مخلوقات کی کوئی قسم نہیں ہے بلکہ خالق کی قدرت ہے اور وہ ایک لامحدود شئی ہے نیز یہ کہ یہ جزا دنیا کی راحت کے منافی بھی نہیں ہے صرف دنیا کا وسیلہ آخرت ہونا ضروری ہے کہ آخرت کے مقابلے میں استقلال نہ پیدا کر سکے یہ اشارہ ہے کہ ہر طالب دنیا کو بھی جو چاہتا ہے وہ میسر نہیں ہوتا ہے مگر سب کو دنیا ہی میں حسب حیثیت ضرور مل جاتا ہے۔ تنہا

۱۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۹ ص ۲۷۶ ترجمہ علامہ شیخ محسن علی نجفی

آخرت کے نام پر سعی کرنا کافی نہیں ہے بلکہ ویسی سعی کا ہونا ضروری ہے جو آخرت کی سعی کہے جانے کے قابل ہو۔ دنیا میں تو صرف دولت وفقر، علم وجہل، صحت ومرض اور زندگی کے حالات کا فرق ہے، آخرت میں جنت وجہنم کا فرق ہے جو سابقہ تمام درجات سے بالاتر ہے۔ یہ اشارہ ہے تمسک کرنا رسول خداؐ اور اہل بیتؑ رسولؐ سے، پہلے بھی جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے، قرآن فرماتا ہے کہ: وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلٌّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلاً (۱) ''اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے مت جانا کہ رزز قیامت سماعت، بصارت اور قوت قلب اور زبان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور روئے زمین پر اکڑ کرنہ چلنا نہ تم زمین کو شق کر سکتے ہو اور نہ سر اٹھا کر پہاڑوں کی بلندیوں تک پہنچ سکتے ہو'' یہ قرآن مجید کی بہترین تعبیر ہے اکڑنے والا زمین کو ٹھوکر مار کر چلتا ہے تو اسے شگافتہ نہیں کر سکتا اور سر اٹھا کر چلتا ہے تو پہاڑ تک نہیں پہنچ سکتا۔ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحاً ''روئے زمین پر اکڑ کر نہ چلے کہ نہ زمین کو شق کر سکتے ہو اور نہ سر اٹھا کر پہاڑوں کی بلندیوں تک پہنچ سکتے ہو۔'' یعنی جمادات سے مقابلہ کرنے کے قابل بھی نہیں ہے تو دوسری مخلوقات کا کیا ذکر ہے (۲)

غدیر خم

ہم مختصر حالات غدیر خم کو عرض کرنا چاہتے ہیں۔ مکہ معظمہ اور مدینۂ منورہ کے درمیان ایک بڑا صحرا ہے جس کو غدیر خم کہا جاتا ہے رسول خداؐ نے حجۃ الوداع کے بعد غدیر خم میں حضرت علیؑ کی خلافت اور جانشینی کا اعلان کیا جب ابتدائے دعوت میں رسول خداؐ پر آیت نازل ہوئی خدا فرماتا ہے: یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا

۱۔ سورہ اسراء آیت ۳۶؟

۲۔ سورہ اسراء آیت ۳۷ ترجمہ علامہ ذیشان حیدر جوادی

بَلَّغتَ رِسَالَتَهُ وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ لنَّاسِ (۱) ''اے رسولؐ جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچادو اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو سمجھ لو کہ تم نے رسالت کا کوئی پیغام ہی نہیں پہونچایا اور تم ڈرو نہیں خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔'' علماء اہل سنت کی ایک بڑی تعداد نے اس آیت کے غدیر خم میں حضرت علیؑ کے اعلان خلافت اور جانشینی کے بارے میں نازل ہونے کی تصریح کی ہے اور ان روایات کو صحیح قرار دیا اور اس سلسلہ میں ان حضرات نے اپنے شیعہ بھائیوں کا ساتھ دیا ہے پس بطور مثال اختصار کیساتھ چند علماء اہل سنت کے اسماء تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ الامام ابواسحاق	اپنی تفسیر کبیر میں
۲۔ حاکم حسکانی نے	اپنی کتاب شواہد التنزیل القواعد میں
۳۔ جلال الدین سیوطی نے	التفصیل کے جلد ۱ ص ۱۸۷ میں
۴۔ فخر الدین رازی نے	اپنی تفسیر کبیر کے جلد ۱۲ ص ۵۰ میں
۵۔ محمد بن عبدہ نے	اپنی تفسیر المنار کے جلد ۱ ص ۸۶ و جلد ۶ ص ۴۶۳ میں
۶۔ ابن عساکر شافعی نے	اپنی تاریخ دمشق جلد ۲ ص ۷۶ میں
۷۔ شوکانی نے	اپنی فتح الغدیر کے جلد ۲ ص ۶۰ میں
۸۔ ابن طلحہ شافعی نے	مطالب السوال کے جلد ۱ ص ۴۴ میں
۹۔ ابن صباغ مالکی نے	فصول مہمہ کے ص ۲۵ میں
۱۰۔ سلمان قندوزی حنفی نے	ینابیع المودۃ کے ص ۱۲۰ میں
۱۱۔ شہرستانی نے	ملل ونحل کے جلد ۱ ص ۱۶۳ میں
۱۲۔ ابن جُریر طبری نے	کتاب الولایت میں

۱۔ مائدہ / آیت ۶۷

۱۳۔ بدر الدین حنفی نے ——— عمدۃ القاری فی شرح البخاری کے جلد ۸ ص ۵۸۴ میں

۱۴۔ ابن سعید سجستانی نے ——— کتاب الولایت میں

۱۵۔ عبد الوہاب بخاری نے ——— تفسیر بخاری میں

۱۶۔ حافظ ابو نعیم نے ——— اپنی کتاب نزول القرآن میں

۱۷۔ امام واحدی نے ——— اپنی کتاب اسباب النزول ص ۱۵۰ میں

۱۸۔ الوشی نے ——— روح المعانی جلد ۲ ص ۳۸۴ میں

۱۹۔ صدیق حسن خان نے ——— فتح البیان فی مقاصد القرآن جلد ۱ ص ۶۳ میں

۲۰۔ حموینی نے ——— فرائد السبطین کے جلد ۱ ص ۵۸ میں

یہ ان مختصر سے علماء کے اسماء ہیں اور اگر تفصیل چاہتے ہوں تو علامہ امینیؒ کی کتاب الغدیر کا مطالعہ فرمائیں مرحوم نے ان علماء کی تعداد ۳۶۰ سے زیادہ رقم کیا ہے۔

علماء حضرات کہتے ہیں: رسول خداؐ نے لوگوں کو ایک جگہ پر یعنی غدیر خم میں جمع کیا اور بہت ہی فصیح و بلیغ ولمبا چوڑا خطبہ ارشاد فرمایا اور تمام لوگوں کو ان کے نفسوں پر گواہ بنایا اور سب ہی نے کہا: آپ ہمارے نفسوں پر ہم سے زیادہ اولی ہیں، فرمایا: مَعَاشِرَ النَّاسِ اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ ، یہ آیہ شریفہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ، اور سب ہی نے کہا کہ آپ ہمارے نفسوں پر ہم سے زیادہ اولی ہیں اس کے بعد آپؐ نے علی ابن ابی طالبؑ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ میں جس جس کا مولا ہوں علیؑ بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہُ ”خداوندا جو علیؑ کو دوست رکھے تو بھی اس کو دوست رکھ اور جو علیؑ کو دشمن رکھے تو بھی اس کو دشمن رکھ جو علیؑ کی مدد کرے تو اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد نہ کرے تو اس کو رسوا کر اور حق کو ادھر موڑ جدھر علیؑ مڑیں۔“ اس کے بعد علیؑ کو عمامہ پہنایا اور ایک خیمہ علیؑ کے لئے نصب کیا

اور اصحاب کو حکم دیا کہ علیؑ کو امیر المؤمنین کہہ کر بیعت کر کے مبارک باد پیش کریں چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور سب سے آگے آگے ابو بکر و عمر تھے اور کہہ رہے تھے مبارک ہو مبارک ہوا ے علیؑ آپ کو کہ آپ تمام مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے (مسند احمد حنبل جلد۴ص ۱۲۸۱، تفسیر طبری، تفسیر رازی جلد۳ص ۶۳۶)، صواعق محرقہ ابن حجر بیہقی، داد قطنی ،خطیب بغدادی و شہرستانی وغیرہ نے اس حدیث کو لکھا ہے۔ تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ اصحاب اور انصار مؤمنین منافقین و مترفین سب حاضر و ناظر تھے آنحضرتؐ کے ساتھ حج کیا تھا اور ان کے قلوب شعائر اللہ سے بھرے تھے اور آنحضرتؐ کی زبانی ان کی موت کی پیشنگوئی سن چکے تھے بہر حال اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ آیت سے مراد ولایت علی بن ابیطالب علیہ السلام ہے اور باقی مسائل کیلئے تفصیلی بحثوں کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا انکار کرنے والے اس دن کیا کریں گے جب کانوں سے اعلان غدیر کے سننے آنکھوں سے دست پیغمبرؐ پر علی علیہ السلام کے بلند ہونے اور دل سے مولائیت کے اقرار کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَاتَبْكُوْنَ وَ اَنْتُمْ سَامِدُوْنَ(۱) ”تو کیا تم لوگ اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور تم اس قدر غافل ہو۔“

لَااِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْتَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَىِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ (۲) دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں بتحقیق ہدایت اور ضلالت میں فرق نمایاں ہو چکا ہے پس جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے بتحقیق اس نے نہ ٹوٹنے والی مظبوط رسی پکڑی ہے اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ دین کے معاملات بہت نازک اور

۱۔ سورہ النجم آیت ۵۹

۲۔ البقرہ آیت ۲۵۶/ص ۲۵۶ علامہ شیخ محسن علی نجفی

لطیف ہیں دین میں اکراہ اور جبر نہیں ہے کیونکہ اسلام دین عقل و منطق ہے اور عقل وضمیر اس کے مخاطب ہیں عقل اور دل طاقت وزور کی بازو نہیں اور طاقت کی زبان نہیں سمجھتے اور جبر کا موضوع افعال وحرکات ہیں عقائد ونظریات نہیں۔ دعوت اسلام کا مخاطب چونکہ عقل وادراک ہے اس لئے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کام ہو چکا ہے یعنی "قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" ہدایت اور ضلالت میں امتیاز نمایاں اور آشکار ہو چکا اس کے بعد قبول اور رد میں انسان آزاد ہے۔ اسلام نے ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا جو اس آزادی کو سلب کرنے کے لئے طاقت استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ چشم جہان نے دیکھا کہ اس آزادی کے حصول کے بعد اسلام محمدیؐ نے ہر قسم کی ہدایت وادیان کو برداشت کیا اور مکمل آزادی دی حتی کہ نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبویؐ میں مراسم عبادت ادا کرنے کی خود رسول اکرمؐ نے اجازت دی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: أُعْطِيتُ آيَةَ الْكُرْسِيِّ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ وَلَمْ يُؤْتَهَا نَبِيٌّ كَانَ قَبْلِي "مجھے آیت الکرسی عرش کے خزانوں سے عنایت کی گئی" حضرت امیر المومنین علی فرماتے ہیں: جب سے میں نے یہ حدیث رسول اللہؐ سے سنی کسی رات کو میں نے اس آیت کی تلاوت ترک نہیں کی (۱) کرسی کی تعبیر بعض علم سے اور بعض اقتدار سے کرتے ہیں لیکن اقتدار خدا عین علم خدا ہے۔ اقتدار کل کائنات پر محیط ہے اور علم بھی، چنانچہ کرسی کی وسعت کے ذکر کے بعد اللہ کے احاطۂ علمی کا بھی ذکر آتا ہے گویا احاطۂ اقتدار احاطۂ علمی کا لازمہ ہے۔ یہاں سے آیت الکرسی کا آغاز ہوتا ہے جس کے بہت سے فضائل وفوائد نقل کئے گئے ہیں اس میں اللہ کی عظمت، مالکیت وسعت علم وقدرت کے ساتھ دو باتوں کی طرف خصوصیت سے اشارہ کیا گیا۔ وہ ہمیشہ بیدار ہے اور کائنات کی حفاظت کر رہا ہے اس کے علاوہ کوئی محافظ نہیں ہو سکتا۔ وہ اس تحفظ میں خستہ حال بھی نہیں ہوتا اور

۱۔ آیت الکرسی آیت/۲۴۴ ص ۲۵۶ علامہ شیخ محسن علی نجفی

سب کو دیکھ بھی رہا ہے اور سب کو سن بھی رہا ہے جس کی زندگی ذاتی ہو اور اس کی موت کا امکان نہ ہو وہ حی ابدی ہے۔ قیُّوم جو خود بھی قائم ہو اور اس سے دوسروں کا قیام بھی وابستہ ہو، بہر حال سرکار دو عالمؐ کو مرسلین میں قرار دینے کے بعد ان باہمی افضلیت کا تذکرہ کیا گیا اور بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کیا گیا جس کا مقصد یہ کہ سب رسالت ونبوت میں یکسان ہیں اور کمالات کے ظہور میں مختلف ہیں اور اس سے رسالت ونبوت مجروح نہیں ہوتی ہے۔

واضح وظاہر ہے کہ جب سارے مرسلینؑ برابر نہیں ہیں تو سارے اصحاب یا سارے مسلمان یا سارے سال اور ماہ اور دن کیسے برابر ہو جائیں گے! اس نکتہ پر ہر صاحب علم و دانشمند و عقل رکھنے والے کو غور کرنا چاہئیے۔ یہ اشارہ ہے کہ خدا نے جبر سے کام نہیں لیا اور بندوں کو ان کے اختیار پر چھوڑ دیا ہے ورنہ وہ طے کر لیتا تو ابلیس وابلیس والے بھی سجدہ وحق وحقیقت سے انکار نہیں کر سکتے تھے لیکن اس طرح ثواب وعذاب اور خیر وشر کا خاتمہ ہو جاتا تو جہنم خالی ہوتا۔

واضح رہے کہ مذہب اسلام میں جبر واکراہ ومکر شیطانی کے لئے کوئی راہ وگنجائش نہیں ہے کہ اولاً تو حقائق کی وضاحت کے بعد جبر کا موضوع ہی ختم ہو جاتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ مذہب عقائد ومعارف کا نام ہے اور عقائد کے بارے میں جبر کا کوئی امکان نہیں ہے اسلام نے جہاد صرف تین مواقع پر جائز رکھا:

۱۔ بت پرستی کے خاتمہ کیلئے کہ یہ کوئی نظریہ نہیں ہے انسان وانسانیت کی کھلی ہوئی توہین ہے۔
۲۔ اسلام کے خلاف حملوں کو روکنے اور رد کرنے کے لئے۔
۳۔ تبلیغ مذہب کی مکمل آزادی حاصل کرنے کیلئے تا کہ واضح طور پر اپنی بات اور مقصد بیان کیا جا سکے۔
۴۔ دین میں کسی طرح کا جبر وزور نہیں ہے دین عقائد کا نام ہے اور عقائد میں جبر نہیں ہو سکتا

اورحقائق کے واضح ہو جانے کے بعد جبر کی ضرورت بھی نہیں ہے۔اب صرف حساب ہوسکتا ہےاوربس۔جس نے خدا کوولی بنالیاوہ عالم انوار میں رہے گااور جس نے سرکش طاقتوں کو سرپرست بنالیاان کاانجام جہنم ہےاور ہمیشہ کے لئے طاغوت کی سرپرستی صرف بدعملی نہیں بلکہ بےایمانی کی بھی دلیل ہے۔

۵اسلام نے بار بارتبلیغ انفاق پرزور دیا ہےاورمتوجہ کیا ہے کہ مال تمہارامال نہیں بلکہ کسب خدا ہےلہذااس کی راہ میں خرچ کرو ورنہ قیامت کے دن کوئی کام نہ آئے گا۔یَوْمٌ لاَیَنْفَعُ مَالٌ وَّلاَبَنُوْنَ جس دن مال اوراولاد کوئی کام نہ آئے گامگر وہ جوقلب سلیم کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو۔(۱)

﴿ابتدائے اسلام میں﴾

وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ ......''اور جب اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پرنازل ہوا ہےتوتم دیکھتے ہوکہ ان کی انکھوں سے بے ساختہ آنسوں جاری ہوجاتے ہیں کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہےاور کہتے ہیں کہ پروردگارہم ایمان لے آئے ہیں لہذا ہمارا نام بھی تصدیق کرنے والوں میں درج کرلے۔''

واضح ہے ابتدائے اسلام میں مشرکین نے اپنے مفادات کو خطرہ میں دیکھ کرمسلمانوں کوستاناشروع کیا،سرکاردوعالم نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کاحکم دے دیا اور جناب جعفرطیارکوقافلہ سالاربنادیا۔یہ ہجرت ایک طرف سے مسلمانوں کی تسکین اورتسلی کاذریعہ ووسیلہ تھی کہ اذیت کے ماحول اورمشکل سے نکل گئے اوردوسری طرف اسلام کے شعائراوراشاعت کابہترین وسیلہ تھی جواجتماعی ہجرت کے بغیرممکن نہ تھی اورفلسفہ اورحکمت عملی بھی تھی چنانچہ جناب جعفرطیارنے نجاشی کے یہاں پناہ لی اورادھرمشرکین نے عمروعاص

....

۱۔قرآن مجیدص ۵۷۷علامہ ذیشان حیدرجوادی

وغیرہ کو بھیج دیا کہ ان لوگوں کے واپسی کا مطالبہ کیا نجاشی نے جناب جعفر طیار سے صورت حال دریافت کی۔آپ نے فرمایا کہ ہم نہ ان کے غلام ہیں نہ مقروض ہیں اور نہ کسی کو قتل کر کے آئے ہیں۔عمرو عاص وغیرہ نے نجاشی کو تحفہ وتحائف رشوت دے کر واپسی کا اسرار کیا جناب جعفر طیار نے کہا ہم ان کے مظالم سے پناہ لینے آئے ہیں اور ہمارا جرم یہ ہے کہ ہم آخری پیغمبرؐ پر ایمان لے آئے ہیں۔جس کے پیغامات یہ ہیں...... یہ سن کر نجاشی پریشان و حیران رہ گیا کہ یہ تو بعینہ حضرت عیسیٰؑ کے پیغامات ہیں اور قرآن سنانے کی فرمائش کی جناب جعفر طیار نے سورہ مریمؑ کی آیات پڑھ کر سنائیں تو نجاشی کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے اور عمرو عاص کے منہ پر ایک طمانچہ مار کر اسے نکال باہر کر دیا اور مسلمان وہاں ایک مدت تک سکون واطمینان سے رہے اور جناب جعفر طیار کی ایسی فتح تھی کہ جب فتح خیبر کے موقع پر وہ واپس آئے ہیں تو پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: کہ میں کس چیز سے زیادہ مسرت کا اظہار کروں فتح خیبر سے یا واپسی جعفر طیار سے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ موقع انتہائی حسین تھا جب روح ابیطالب وجد کر رہی تھی کہ اسلام کے دو فاتح اکٹھا ہو رہے ہیں۔ایک بیٹے نے یہودیت کے محاذ کو فتح کیا ہے اور دوسرے نے عیسائیت کے محاذ کو، یا ایک نے زور بازو کا مظاہرہ کیا اور دوسرے نے زور بیان کا یا ایک نے قرآن کی عظمت کا اظہار کیا اور دوسرے نے اہل بیتؑ کی جلالت کا یا ایک نے کفر کے حوصلے ست کئے ہیں اور دوسرے نے اسلام کی شوکت میں اضافہ کیا ہے۔اور یہ تمام باتیں ان کی توقع اور تمنا کے عین مطابق واقع ہوئی ہیں۔

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُوتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُزِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلیٰ کُلِّ شَیءٍ قَدِیْر (۱)

....

۱۔آل عمران آیت ۲۵ ص ۷۷ ترجمہ علامہ ذیشان حیدر جوادی

''پیغمبرؐ آپ کہئے کہ خدایا! تو صاحب اقتدار ہے جس کو چاہتا ہے اقتدار دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلب کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت دے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے اور مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ سارا خیر تیرے ہاتھ میں ہے اور تو ہی ہر شی پر قادر ہے''۔

مردہ کے زندہ اور زندہ کے مردہ سے نکالنے کا مفہوم مختلف شکلوں میں بیان کیا گیا ہے مثلاً حیوان سے نطفہ اور پھر نطفہ سے حیوان یا خشک دانے سے سبزہ اور سبزے سے پھر خشک دانہ یا کافر کے صلب سے مسلمان اور مسلمان کے صلب سے کافر وغیرہ ہے خدا کے ملک دینے اور لینے کا مفہوم یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں اسباب معین کر دئے ہیں اور ان سے انسان کا اپنا کام ہے اس کے بعد جواب بھی انسان ہی کو دینا ہوگا ملک مل جانے کا مطلب جواب دہی سے انسان آزاد نہیں ہے۔

﴿سرکار دو عالم کے فیصلے اور یہودیوں کی پالیسی﴾

خبردار صاحبان ایمان، مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست نہ بنائیں کہ جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ تمہیں کفار سے خوف ہو تو کوئی حرج بھی نہیں ہے اور خدا تمہیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم دل کی باتوں کو چھپاؤ یا اس کا اظہار کرو خدا تو بہر حال جانتا ہے اور وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر شی پر قدرت و اختیار رکھنے والا بھی ہے۔

یہودیوں کے بارے میں مفسرین کا خیال یہ ہے کہ ان کے یہاں جنت اور جہنم کا عقیدہ نہیں ہے اور نہ ان کی کتابوں میں اس کا کوئی تذکرہ موجود ہے لیکن بعض آیات سے صراحتاً اس کے خلاف اندازہ ہوتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ ابتداء میں یہ عقیدہ رہا ہو اور بعد میں مصلحتاً نکال دیا گیا ہو یا یہ کہ یہ اقرار بھی صرف بطور طنز ہو اور اس کا اپنے عقیدے سے کوئی

تعلق نہ ہو بہر حال یہودیوں نے سرکار دو عالمؐ کے فیصلہ پر توریت کی تصدیق کا بھی اعتبار نہ کیا اور اس طرح جہنم کے حقدار ہو گئے اور ظاہر ہے کہ جب توریت کے فیصلہ کو نہ ماننے کا انجام یہ ہوا ہے تو قرآن مجید اور آیات کے احکام کے نہ ماننے سے مسلمانوں کا انجام کیا ہو گا۔؟

﴿تقیہ﴾

ابتداء وصدر اسلام میں اسلام غریب تھا اور سارا اقتدار فارس روم اور یمن والوں کے پاس تھا لیکن پیغمبر اسلامؐ کی دعاؤں اور اخلاق سے اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے قوت بازو، شجاعت اور مال خدیجہؑ اور ان خدمتوں کے نتیجہ میں کفر اور جہالت الٹ گیا اور صاحبان ظلم اور اقتدار اپنے اقتدار سے محروم ہو گئے...... اسلام صاحب اقتدار ہو گیا اور گویا رات چھوٹی ہو گئی اور سورج نکل گیا اور دن بڑھ گیا یا مردہ اقتدار سے زندہ ہوا۔ حکومت نکل آئی......

﴿جوانوں کا سوال﴾

کفار سے دوستی ان کے عقائد سے دوستی ہو یا اسلام کے خلاف ان کے ساتھ سازشی دوستی ہو تو صریح کفر ہے لیکن صرف معاملات زندگی کی حد تک ہو تو کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اسلام کے خلاف اس کے اثرات نہ ہوں؟ دوستی کی ممانعت کے بعد تقیہ کی اجازت دی گئی ہے۔ اللہ کی مشیت اندھی لکڑی نہیں ہوتی وہ کچھ لوگوں کو حکومت از روئے احسان عطا فرماتا ہے اور کچھ لوگوں کو از روئے انتقام تا کہ وہ مزید جرم کا ارتکاب کریں چنانچہ جب یزید پلید نے اسیران آل رسولؐ کے سامنے اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے طنز کیا کہ اللہ نے مجھے عزت دی ہے اور تم کو ذلیل کیا تو جناب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے سورہ؟ کی آیت ۱۷۸ کی تلاوت فرمائی جس میں بتایا گیا ہے کہ ہم اس لئے مہلت دیتے ہیں تا کہ (لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا) جرم میں اور بڑھ جائیں۔ (اَلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا) استثنائے منقطع نہیں،

متصل ہے یعنی کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ نہ ظاہراً اور نہ حقیقتاً (اَلَّا اَنْ تَتَقُوْا) ہاں البتہ اگر ان سے بچنا مقصود ہو تو ظاہراً دوست بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اس آیت سے واضح ہے کہ تقیہ جائز ہے، اصحاب تابعین، تبع تابعین فقہاء اور مفسرین میں سے کسی کو اختلاف نہیں ہے ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر بیان القرآن تھانوی اور تفہیم القرآن مودودی وغیرہ لیکن کچھ لوگوں نے کم علمی کی بنا پر آیت کے ذیل میں کچھ باتیں لکھی ہیں اسے پڑھ کر تعجب ہوتا ہے اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ باتیں نہیں لکھنا چاہیے جبکہ خلیفہ معتصم کے بعد کے علماء کو تقیہ کے خلاف بات نہیں کرنا چاہیے کیونکہ خلیفہ معتصم نے نظریہ خلق قرآن کے مسئلہ پر تشدد کیا تو جو علماء قرآن کو مخلوق نہیں سمجھتے تھے ان کے لئے تقیہ کے دامن میں پناہ لینے کے سوا چارہ نہ تھا ۔(۱) قرآن کی آیت ہے اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً (۲) کفار سے خوف ہو تو کوئی بھی نہیں ہے...... جو عالم اسلام کا مسئلہ ہے جس کا اقرار تفسیر رازی، تفسیر النہار وغیرہ میں کیا گیا ہے۔ شیعوں کے بارے میں تقیہ کی شہرت صرف اس لئے ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے مظالم نے انہیں تقیہ سے دوچار کر دیا تھا اور انکے تقیہ کی شہرت ہو گئی ورنہ اس کے علاوہ تقیہ کو جھوٹ یا فریب قرار دینا صریح حکم قرآن کی خلاف ورزی ہے یا نادانی ہے جیسا کہ جناب عمار کے بارے میں کر دیا گیا ہے اور معتبر اور مستند کتابوں میں کر دی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی عائشہ اور ابودرداء کی روایت میں اعلان کیا گیا ہے۔ (وَلَوْ كَانَ آبَائُهُمْ) اس آیت میں اندھی تقلید کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی مذمت کی گئی ہے جو عقل اور ہدایت پر نہ ہو اسلام عقل، دلیل اور سند کے بغیر کسی موقف کو درست تصور نہیں کرتا۔ اس لئے یہ کہنا نہایت نادانی اور ناانصافی ہے کہ مذہب اندھی تقلید کا نام ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انسان اور انسانی

۱۔ ص ۵۶ ترجمہ علامہ شیخ محسن علی نجفی

۲۔ آل عمران ۲۷ ص ۱۳۹ علامہ ذیشان حیدر جوادی

زندگی چار ادوار پر مشتمل ہے۔ داستانی، مذہبی، فلسفی اور سائنسی۔ مذہب دوسرے دور سے مربوط ہے لیکن یہ نظریہ درست نہیں ہے کیونکہ دین فلسفے سے پہلے دور کی پیداوار نہیں ہے بلکہ دین ابراہیمی سے پہلے ہندوستان مصر اور گلدان فلسفہ رائج تھا۔ فروعی مسائل میں ماہر فقہ کی طرف رجوع کرنے کو بھی تقلید کہتے ہیں مگر یہ بغیر دلیل وسند کے اندھی تقلید نہیں ہے بلکہ یہ عقل وہدایت پر عمل کرنے کا معقول ذریعہ ہے۔(۱)

﴿اسلام ایک جامع قانون کا نام ہے﴾

وَلَوْ كَانَ آبَائُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْأً وَلَا يَهْتَدُوْنَ (۲)

دین اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں کی وضاحت کرتے ہوئے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ”جو کچھ اس خدا نے نازل کیا ہے اس کا اتباع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ ایسا ہی کریں گے چاہے ان کے باپ داد بے عقل ہی رہے ہوں اور ہدایت یافتہ نہ رہے ہوں“ یہ فطرت ہر دور میں پائی گئی ہے کہ بعض لوگ اپنے آباواجداد کی تعلیمات کو احکام خدا اور رسولؐ سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور انہیں اس قدر بھی شعور نہیں ہوتا کہ یہ آباواجداد ان کے برابر بھی صاحبان علم وعقل نہیں تھے اور یہ ہر معاملہ میں اپنی عقل کو ان پر مقدم رکھتے ہیں صرف مذہب کے معاملہ میں اپنے علم اور عقل کو بالائے طاق رکھ کر پرانے باپ دادا کے رسوم وتقالید کی اتباع کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس طریقہ کار کی شدید مذمت کی ہے اور ایسے لوگوں کو بے عقل جانور اندھا بہرا گونگا اور مستحق عذاب قرار دیا ہے۔

دین اسلام ودین مبین نے زندگی کے تمام شعبوں کو واضح وروشن کرتے ہوئے

....

۱۔ ترجمہ قرآن شیخ محسن علی نجفی ۲۷

۲۔ سورہ بقرہ آیت ۱۷۰

اکل وشرب کے مسائل پر بھی روشنی ڈالی ہے اور گذشتہ ادوار کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے۔ اس نے ان لوگوں کی بھی مذمت کی ہے جن کی پالیسی ترک لذات کی ہے اور حلال وطیب غذاؤں کو بھی استعمال نہیں کرتے اور ان لوگوں پر بھی تنقید کی ہے جو حرام خوری کے لئے بھی تیار رہتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے ایک عام قانون اضطراری کی طرف اشارہ کیا جو اسلام کے سارے قوانین سے بالاتر ہے اور ہر قانون پر ایک طرح کی حکومت رکھتا ہے کہ جہاں بھی اضطرار اور مجبوری پیدا ہو جائے اسلام اپنے ہر واجب اور حرام کو ہٹا لینے کے لئے تیار رہتا ہے بشرطیکہ انسان کے نفس میں خباثت نہ ہو اور وہ حرام کی طرف رجحان اور میلان کی بنا پر اپنے کو مجبور نہ قرار دیدے اور استعمال کرتے وقت بھی مجبوری سے تعدی نہ کرے اور حدود کے اندر رہے۔ قرآن فرماتا ہے: وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (۱) ''یہ خدائی حدود ہیں اور جو خدائی حدود سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔'' دور حاضر میں جو لوگ غذاؤں کے استعمال کے لئے مجبوری کا اظہار کرتے ہیں ان دونوں شرطوں کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے کہ حرام کو استعمال کرتے وقت بھی اسے ناگوار سمجھیں اور لذت محسوس نہ کریں جو مجبوری کا صحیح طریقہ ہوتا ہے اور ضرورت کے حدود سے تجاوز بھی نہ ہو۔ قرآن کہتا ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۲)

اس کے بعد بھی کوئی مجبور ہو جائے اور نہ سرکش ہو نہ حد سے تجاوز کرنے والا تو پروردگار بڑا بخشنے والا مہربان ہے ورنہ پرودگار تو پوشیدہ اسرار اور دل کی نیت سے بھی باخبر وآگاہ ہے۔ دور حاضر میں بعض لوگ جا بجا مشرکین کے یہاں چائے پینا اور پان کھانا ضروری سمجھتے ہیں

۱۔ سورہ طلاق

۲۔ سورہ انعام آیت ۱۴۵

حالانکہ چائے اور پان کوئی مجبوری نہیں ہے اور صرف ایک بہانہ بازی ہے جس کا علم یقیناً پروردگا عالم کو ہے۔

﴿اسلام سے پہلے بے دینوں کے اصول﴾

اسلام سے پہلے بے دینوں میں قصاص کا اصول غیر مرتب تھا بعض افراد بالکل قصاص کے قائل نہ تھے اور بعض کے بدلے قوموں کا قتل ہوتا تھا۔ دین داروں میں بھی بعض ادیان میں قصاص تھا اور دیت نہیں تھی اور بعض میں دیت تھی اور قصاص نہیں تھا۔ اسلام نے ایک جامع قانون کا اعلان کیا جس میں اولاً بے دینی کے طریقوں کی تردید کی گئی اور ایک کے بدلے ایک کا قانون بنایا گیا۔ قصاص کو زندگی قرار دیا گیا پھر ادیان کے اصول میں ترمیم کر کے قصاص، دیات اور معافی کی تین قسمیں نکالی گئیں اور ورثہ کو معافی پر آمادہ کیا گیا اور قاتل کو صحیح طریقہ اور شرافت سے دیت ادا کرنے پر تیار کیا گیا

وصیت ایک بہترین عمل ہے جس کے ذریعہ حقوق بربادی سے محفوظ ومحروس ہو جاتے ہیں اور مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد تک کار خیر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مرنے والا اپنے اموال کے بارے میں صرف افسوس اور حسرت لے کر نہیں جاتا۔ دین مبین نے اس کی تاکید کی ہے اور بعض اوقات اور بعض موارد میں اسے واجب بھی قرار دیا ہے اور مرنے والے کو اس کی طرف سے بھی مطمئن کر دیا ہے کہ اگر بعد میں عمل نہ بھی کیا گیا تو تمھیں اجر وثواب بہرحال مل جائے گا اور بدل دینے کا عذاب بدل دینے والے کی گردن پر ہوگا اور ثواب کے موارد و مراحل ایمان کے بعد مالی ایثار ہے جس میں قرابتداروں کے ساتھ ساتھ یتیموں، مسکینوں مسافروں سائلوں اور غلاموں کا خیال رکھنا ہے اور یہ زکواۃ واجب کے علاوہ ہے جس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔ مالی ایثار کے ساتھ نماز قائم کرنا ہے جو نشانی بندگی اور ستون دین، عقیدہ و ایمان ہے۔ البتہ نماز جس میں انفرادی عبادت کے ساتھ اجتماعی عہد و پیمان کا لحاظ رکھنا ہے اور اس کے بعد نفسانی کمال یعنی ہر حال

میں صبر اختیار کرنا ہے۔اس کے بعد انسان صادق الایمان کہا جائے گا ایمان میں عقیدہ ،عبادت ،مالیات ،اجتماعیات اور اخلاقیات سب کا ہونا اور گذشتہ گان کے حق میں نظر رکھنا ضروری ہے۔

حصہ دوم

﴿عقائد میں غلو﴾

لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ......(۱)

''اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور خدا کے بارے میں حق کے علاوہ کچھ نہ کہو'' مسیح عیسیٰؑ بن مریم صرف اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے مریم کی طرف القاء کیا گیا ہے اور وہ اس کے طرف سے ایک روح ہیں لہذا خدا اور مرسلین پر ایمان لے آؤ اور خبردار تین کا نام بھی نہ لو۔ اس سے باز آ جاؤ کہ اسی میں بھلائی ہے۔ اللہ فقط خدائے واحد ہے اور وہ اس بات سے منزہ ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے اور وہ کفالت و وکالت کے لئے کافی ہے۔

ہر قوم کے بعض افراد کی بیماری ہے اور انسان کا یہ خاصہ ہے کہ جس سے عقیدت پیدا کر لیتا ہے اسے حد سے آگے بڑھائے بغیر مطمئن نہیں ہوتا ہے مسلمانوں میں بھی یہی کاروبار مختلف مراحل پر ہوتا رہا ہے یہ اور بات ہے کہ اللہ والے کبھی ایسی جہالتوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے اور اپنے امکان بھر اس کی تردید کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ خود جناب عیسیٰؑ نے اس تصور کے پیدا ہونے سے پہلے ہی گہوارہ ہی سے اپنی بندگی کا اعلان کر دیا تھا اور پھر زندگی بھر عبادت الٰہی کرتے رہے یہاں تک کہ خدا نے انھیں آسمان پر اٹھا لیا اور اس کے بعد بھی جب خدا کے حکم سے زمین پر آئیں گے تو مہدیؑ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پیچھے نماز پڑھیں گے عبادت ہی کریں گے۔ عیسائیوں کیلئے یہ بھی ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ جناب عیسیٰؑ

۱۔ نساء آیت ۱۷۱/ ترجمہ علامہ ذیشان ص ۲۴۳

اتنی مسلسل عبادت کے باوجود بھی خدا کہے جاسکتے ہیں تو جس کے پیچھے حضرت عیسیٰؑ نماز جماعت پڑھیں گے اس کے بارے میں کیا عقیدہ قائم کیا جائے گا!؟ یہ استدلال کا ایک بہترین طریقہ ہے کہ خود صاحب معاملہ کو گواہی میں پیش کیا جائے اور قوم کو اس کی سفاہت اور حماقت پر متنبہ کیا جائے کہ جب عیسیٰؑ اپنی بندگی کے منکر نہیں ہے اور اپنے کو عبداللہ کہہ رہے ہیں تو ماننے والوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کی بات کو ٹھکرا کر کوئی دوسرا عقیدہ قائم کریں؟ حقیقت یہ کہ عقیدت انسان کو اس قدر اندھا بنا دیتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے کو بندہ خدا کہتے ہیں اور نصیری ان کو خدا کہتے ہیں۔ خلفاء اسلام اپنی ناواقفیت، خطا کاری اور حضرت علی علیہ السلام کی مدد کے بغیر ہلاکت کا اعلان کرتے ہیں اور نادان مسلمان انھیں حضرت علی علیہ السلام سے افضل و برتر قرار دیتے ہیں (۱)

اگرچہ اہل کتاب یہود و نصاری دونوں ہیں لیکن اس آیت میں نصارٰی ہی مراد ہیں کہ وہی جناب عیسیٰؑ کے بارے میں غلو کرتے ہیں اور ا قانیم ثلاثہ کا عقیدہ رکھتے ہیں خدا ہر مسلمان کو اقانیم ثلاثہ کے عقیدہ سے محفوظ رکھے بلکہ ہر ثلاثہ سے محفوظ رکھے۔ عیسائی مبشرین نے کلمہ اور روح کے لفظ سے ظاہر کرنا چاہا ہے کہ جناب عیسیٰؑ بعص قرآن اللہ کا جز و یا خدائی ایک مخصوص کلمہ ہیں جن کا قیاس تمام بندوں پر نہیں کیا جاسکتا لیکن ان احمقوں نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی۔ قرآن مجید نے اس آیت میں ان کے مفہوم کو غلو سے بھی تعبیر کیا ہے اور انہیں ثلاثہ کے عقیدہ سے روکا ہے۔ کلمہ و روح جناب عیسیٰؑ کے بغیر باپ کے ولادت کیطرف اشارہ ہے جس طرح جناب آدم کے بارے میں (نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوْحِي) کہا گیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ عام انسانوں کی تخلیق میں کلمۃ (کُنْ) کے ساتھ مادی اسباب بھی ہوتے ہیں اور جناب عیسیٰؑ کے بارے میں خدا نے براہ راست جناب مریم

۱۔ ترجمہ قرآن علامہ ذیشان ص ۲۴۳

ہی کی طرف اس کلمہ کا القاء کردیا ہے اور اسی مادی تخلیق سے بے نیازی کی بنا پر انہیں روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ورنہ بہترین بات یہ ہے کہ جب خود عیسیٰ کو بندگی سے انکار نہیں ہے تو عیسیٰ والوں کو انکار کرنے کا حق ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ(۱) مسیحی، اناجیل کی صریح تعلیمات کی بنا پر خدائے واحد کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے۔ دوسری طرف وہ روح القدس اور مسیح کو بھی خدا مانتے ہیں، اسی طرح وہ تین خداؤں کے بھی قائل ہیں وہ توحید ثلاثہ کے ساتھ تثلیث اور تثلیث کے ساتھ توحید کا عقیدہ رکھتے ہیں اور تضادات کے ایک سلسلہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ خدا تین بھی ہیں اور ایک بھی اور اس کی تشریح میں ان فرقہ بندیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ کہتے ہیں اللہ ''جوہر'' ہونے کے حوالے سے ایک ہے اور ''اقانیم'' ہونے کے اعتبار سے تین۔ وہ وجود، حیات اور علم کو اقانیم کہتے ہیں اور وجود کو باپ، علم کو بیٹا اور حیات کو روح القدس کہتے ہیں۔ آگے وہ جوہر اور اقانیم کے درمیان تعلق کی نوعیت میں اختلاف کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔

حقیقی اسلام کی شناخت

یہ وہ دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی بنیاد نہیں اور جو بھی اس طرح کا دعویٰ کرے دعویٰ بلا دلیل ہے وہ یا تو جاہل اور بے وقوف ہے یا اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتا یا پھر اسلام کا دشمن یا منافق و متحجر ہے اور لوگوں کو اس سے متحجر کرنا چاہتا ہے اور اس کوشش میں ہے کہ لوگ اپنے دین اور قانون اسلام و احکام الٰہی سے دستبردار ہو جائیں یا آخری صورت مترفین اور متحجر کہ غلو کرنے والا دقیانوس جو ضدی فقہا و عقلاء اسلام کے علاوہ اور کسی کے نظریہ کو قبول نہیں کرتا جنھوں نے لوگوں پر خدا کی پرستش کو حرام کر ڈالا اور خود کو لوگوں کے لئے خدا کا جانشین مقرر کر دیا ہے لہذا یہ اپنی عقل یا اپنی مخصوص روایتوں کے تحت جیسا چاہتے ہیں دستور

۱۔ ترجمہ قرآن شیخ محسن علی نجفی۔ ص ۱۰۸

اور فتویٰ دیتے ہیں۔ اسلام ان بلند وبالا معنی ومفاہیم کا حامل ہے جسے انسان نے بشریت کے آغاز سے ہی اپنا لیا ہے اور انسان اس کے ذریعہ اس حد تک پہونچ جاتا ہے کہ قابَ قوسَیْنِ اَوْ اَدنیٰ کی منزل کو چھو لیتا ہے چنانچہ قرآن فرماتا ہے: ثُمَّ دَنیٰ فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ (۱) ''پھر وہ نزدیک ہوا اور بہت ہی قریب ہوا یہاں تک کہ بطور تمثیل وہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے زیادہ نزدیک جا پہونچا''

لیکن انسان کم فکری اور کم ہمتی یعنی اپنی ناسوتی خصوصیات کی بناء پر اس حد تک گر جاتا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے: اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُم اَضَلُّ (۲) ''وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر ہیں۔ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ (۳) ''پھر ہم نے اسے سب سے نچلی منزل کی طرف لوٹا دیا۔ خداوند عالم فرماتا ہے: وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیْراً مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ (۴) ''اور یقیناً ہم نے انسان و جنات کی ایک کثیر تعداد کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں اور آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں ہے اور کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں یہ چوپایوں اور جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ اصل میں غافل ہیں۔

۱۔ سورہ نجم آیت ۸۔۹

۲۔ سورہ اعراف آیت ۱۷۹؟

۳۔ سورہ التین آیت ۵

۴۔ سورہ اعراف آیت ۱۷۹/ص ۳۸۱ علامہ ذیشان

یہاں چار صورتیں قابل تصور ہیں پہلی دوسری اور تیسری صورتیں ناممکن ہے چوتھی صورت ہی ممکن اور عدل وانصاف کے مطابق لازم آتا ہے کہ ضروری بھی ہے کہ گویا کچھ لوگوں کو جہنم ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ چہارم یہ کہ مومنین کو جنت اور کافرین کو جہنم بھیج دے۔آیات الٰہی سے انکار کرنے والوں کا آخری انجام جہنم ہے اور ان کی علامت یہ ہے کہ یہ خدائی صلاحیت کو بروئے کار لاکر حق کی معرفت حاصل نہیں کرتے۔رب العالمین نے اتمام حجت کے لئے آنکھ کان اور دل تینوں کا حوالہ دیا ہے۔رسول خداؐ نے بھی غدیر خم میں حضرت علی علیہ السلام کو ہاتھوں پر بلند کر کے فرمایا تھا کہ "مَنْ کُنْتُ مَولاہُ فَھٰذا علیٌّ مولاہُ" تاکہ آنکھیں دیکھ لیں کان سن لیں اور دل سمجھ لیں کہ علی علیہ السلام مولا اور حاکم ہو گئے ۔دستور شریعت اسلام نے بھی تین اشیاء کو سند قرار دیا ہے: قول معصوم، فعل معصوم اور تقریر معصوم۔قول کا تعلق سننے سے ہے، فعل کا تعلق دیکھنے سے اور اور تقریر وسکوت کا تعلق سمجھنے سے ہے۔انسان عاقل نے ان تینوں صلاحیتوں سے کام نہ لیا تو اس کا انجام جہنم ہے اور گویا اسے جہنم ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے(۱)

ظہور امام (عج)

آخری زمانہ میں ظہور مہدی علیہ السلام کا کوئی بھی منکر نہیں ہے سب ہی متفق ہیں اور تمام مسلمان ملکر خلوص کے ساتھ مہدی علیہ السلام کے تعجیل ظہور کی دعا کریں ہر نماز کے بعد۔کیونکہ ان کے ظہور کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو عزت وسربلندی حاصل ہوگی بلکہ تمام بشریت کو سعادت حاصل ہوگی زمین عدل وانصاف سے پر ہو جائیگی ۔اور جب تمام مسلمان مہدی علیہ السلام کے آنے کے قائل ہیں خواہ پیدا ہونگے پھر ظہور کریں گے یا پیدا ہو چکے ہیں اور غیبت کے بعد ظہور کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ظہور مہدی علیہ السلام کوئی خرافاتی عقیدہ نہیں ہے اور نہ

۱۔ص ۳۸۱ ترجمہ علامہ ذیشان حیدر جوادی

افسانہ ہے جیسا کہ بعض بے عقل نادان اسی بات کو باور کرانا چاہتے ہیں بلکہ مہدی علیہ السلام ایک حقیقی شخصیت کا نام ہے جس کے ظہور کی بشارت خود رسولؐ خدا نے دی ہے اور پوری دنیائے اسلام بلکہ یہودی ونصاریٰ بھی ایک نجات دہندہ کے قائل ہیں بلکہ اہل ہنود بھی !۔ اسی لئے ہمارے رسولؐ نے اس کا نام مہدی المنتظر علیہ السلام رکھا ہے۔

پرودگارا مسلمانوں کو خیر وتقوا وآگاہی پر جمع کردے ان کے درمیان اتحاد پیدا کردے ان کو دشمن پر غلبہ عطا کردے۔ اَللّٰھُمَّ کُنْ لِوَلِیِّکَ الْحُجَّۃِ ابْنِ الْحَسَنِ صَلَوٰاتُکَ عَلَیْہِ وَعَلٰی آبَائِہٖ فِیْ ھٰذِہِ السَّاعَۃِ وَفِیْ کُلِّ السَّاعَۃِ وَلِیًّا وَّحَافِظًا وَّقَائِدًا وَّنَاصِرًا وَّدَلِیْلًا وَّعَیْنًا حَتّٰی تُسْکِنَہٗ اَرْضَکَ طَوْعًا وَّتُمَتِّعَہٗ فِیْھَا طَوِیْلًا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّعَجِّلْ فَرَجَھُمْ وَجَعَلْنَا مِنْ اَتْبَاعِھِمْ وَاَعْوَانِھِمْ.

﴿حقیقی مسلمان﴾

مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ... (۱) ''جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلے علاوہ اس کے جو کفر پر مجبور کردیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اور کفر کے لئے سینہ کشادہ رکھتا ہو، اس کے اوپر خدا کا غضب ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔'' یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے زندگی اور زندگانی دنیا کو آخرت پر مقدم کیا ہے اور اللہ ظالم اور منافق قوموں کی ہرگز ہدایت نہیں کرتا یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور آنکھ، کان پر کفر کی چھاپ لگادی گئی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتا حقائق سے غافل ہیں اور یقینا یہی لوگ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں ہیں۔ اس کے بعد تمہارا پروردگار ان لوگوں کے لئے جنہوں نے فتنوں میں مبتلاء ہونے کے

۱۔ سورہ نحل آیت ۵/ص ۵۹۱ ترجمہ علامہ ذیشان حیدر جوادی

بعد ھجرت کی ہے اور پھر جہاد بھی کیا ہے اور صبر سے بھی کام لیا ہے۔یقیناً تمہارا پروردگار بہت زیادہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔علامہ فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں یہ واقعہ درج کیا ہے کہ کفار نے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو یعنی عمار یاسرؓ، سمیہ۔ بلال، حباب اور مسلم وغیرہ کو اس قدر ستایا کہ یاسر اور سمیہ کو قتل ہی کر ڈالا اور عمار پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ انہوں نے عاجز آ کر زبان پر کلمۂ کفر جاری کر دیا۔اصحاب میں شور ہوا کہ عمار کافر ہو گئے۔سرکار دو عالم کو اطلاع ملی تو فرمایا کہ: یاسر سراپا اسلام سے معمور ہیں اور ایمان ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے۔ پھر جب عمار روتے ہوئے حاضر ہوئے تو رسولؐ خدا نے فرمایا کہ وہ لوگ دوبارہ جبر کریں تو پھر وہی کلمات ادا کر دینا کہ رب العالمین نے تمہاری شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ (۱) آیت کریمہ تقیہ کے جواز اور اس کے ممدوح ہونے کی بہترین دلیل ہے اور اس کے بعد تقیہ کا مذاق اڑانا اور اسے کتمان حق سے تعبیر کرنا قرآن مجید سے صریحی جہالت یا اسلام کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے آیات کریمہ میں واضح ہے کہ اکراہ اور جبر و مجبوری کے مقام کو قرآن مجید ہی نے استثنٰی اور مستثنٰی کر دیا ہے جو تقیہ کے جواز کی بہترین دلیل اور برہان قاطع ہے بشرطیکہ اسی سے یعنی تقیہ سے دین اسلام خطرہ میں نہ پڑتا ہو ورنہ تقیہ حرام ہو جائے گا اور حفظ دین بہر حال واجب ہوگا۔

﴿ کیا اسلام ترقی وتمدن کو قبول کرتا ہے؟ ﴾

بے شک !اسلام صرف ترقی اور تکامل کا مخالف نہیں ہے بلکہ اسلام خود عین ترقی و تکامل وتمدن ہے۔اسلام بہت ہی بلند و بالا معنٰی ومفاہیم کا حامل ہے۔جس انسان نے بشریت کے آغاز سے ہی پالیا ہے اسے اشرف المخلوقات کا لقب (مدال الٰہی) ملا ہے۔

۱۔ترجمہ قرآن علامہ ذیشان حیدر ص ۵۹۱

قرآن کریم میں بہت سی جگہ آیات موجود ہیں جو علم اور حصول علم کا شوق دلاتی ہیں اور انسان سے چاہتی ہیں کہ زندگی کے اعلیٰ مراحل تک پہونچنے کیلئے عقل وخرد سے کام لے، چاہے خلاء میں ہی کیوں نہ پہونچا ہو خداوند عالم فرماتا ہے: یَامَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ (۱) ''گروہ جن وانس تم آسمان وزمین کی حدود سے آگے جاسکتے ہو تو خداوند عالم نے ایک دوسری آیت میں انسان کو تمام مخلوقات پر برتر قرار دیا ہے۔ اور اسے بتایا ہے تمام کائنات اور مخلوقات اسکی خدمت میں ہیں۔ فرماتا ہے: خدا تو وہ ہے جس نے سمندروں کو تمہارے قابو میں کردیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں اور اس کے فضل وکرم سے معاش کی تلاش کرو اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگایا ہے۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں قدرت خدا کی بہت نشانیاں ہیں۔ (۲)

دوسری جگہ فرماتا ہے اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (۳) کیا تم لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے غرض سب کچھ خدا ہی نے انہیں تمہارا تابع کردیا ہے۔ اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کردیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو خواہ نخواہ خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ نہ ان کے پاس علم ہے نہ ہدایت اور نہ کوئی روشن کتاب ہے۔

۱۔ سورہ رحمٰن آیت/۳۳

۲۔ سورہ جاثیہ آیات/۱۱۔۱۲

۳۔ سورہ لقمان آیت/۲۰

وہ مسلمان جو اپنے خدا کی کتاب میں یہ پڑھتا ہے جو کچھ آسمان افلاک چاند سورج برج کہکشاؤں ستاروں ہوا بادل وبرف وباران زمین پر دریا و نہریں پہاڑ بیابان جنگلات درندے حیوانات خزانے معادن پتھر جمادات ونباتات وغیرہ ہیں سبھی کچھ اس کے لئے مسخر کردیئے گئے ہیں تو پھر وہ کیسے ہاتھ دھرے اہل مغرب کی ایجاد و پیشرفت کا منتظر رہتا ہے۔ اگر ایسا کرتا ہے تو اس نے اپنی کم ہمتی سے اپنے فریضہ کو ترک کردیا ہے اور اپنے واقعیت کو گرادیا ہے اور اسے زبردست گھاٹا ہوا ہے اس لئے کہ قرآن خدا کی جانب سے نازل ہوا ہے اس میں ساری چیزیں موجود ہیں اور کسی قسم کی کمی اور نقص اس میں نظر نہیں آتا۔ قران فرماتا ہے: ہم نے کتاب میں کوئی بات فروگذاشت نہیں کی ہے۔(۱) رسولؐ خدا نے بھی انسان کو علم ودانش کے حاصل کرنے کے لئے تشویق دلائی ہے اور فرمایا ہے: ''گہورہ سے قبر تک علم حاصل کرو'' صرف یہی نہیں بلکہ اسے سب سے بلند مقام کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں اگر انسان عرش سے آگے کا حوصلہ بھی رکھے تو وہاں بھی پہونچ سکتا ہے۔ لہذا اسلام علم ودانش اور ترقی کے میدان میں بہت آگے ہے اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ کا قائل نہیں ہے۔(البتہ اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ اگر اس بات کا بہت معنی دیتا ہے کہیں بات طولانی نہ ہوجائے اور کتاب اور عترت اہل بیتؑ سے تمسک کرنے پر کوشاں ہو) اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب ترقی وکمال سے مراد ترقی روحی اور جسمی ہو۔ فقط ترقی علمی فقہی تکنکی صنعتی اور جسمی ترقی ہو جیسے یورپیوں ،امریکیوں اور خصوصاً جاپانیوں نے کی اور مسلمان اس سے بے خبر ہیں۔ ان کے خیال میں یہ ساری قابل توجہ ایجادات اور علمی ترقی غیر مسلموں کے ہاتھوں سے ہوئی ہے اور اسلام ان کی پسماندگی کا باعث ہے !! خیالات خصوصاً بعض کمیونیزم پرست جو دین کو قوم کیلئے افیون سمجھتے ہیں اگر ان کے پاس انصاف

۱۔ سورہ انعام آیت/ ۳۸۔ ۲۰

ہوتا تو یہ سمجھ لیتے کہ دین اسلام نے ہی قوم کو زندہ کیا ہے اور انسانی ترقی کو ہمیشہ دائمی رفتار بخشی ہے۔ کیا یہی اسلام نہ تھا جس نے ایک ناچیز قوم کہ جس کے پاس کچھ نہ تھا جہالت اور درندگی اور چوری ظلم کے سوا اسے عروج عطا کیا اور جزیرۃ العرب کو تاریخ شہرت سے نوازا۔؟ اسلام کا سورج یورپ مما لک میں چمکنے لگا اس بات کا اقرار کیا کہ لوگ جہالت میں مبتلا تھے جن لوگوں نے اسلام سے متمسک ہونے کے بعد بھلائی کے ہر میدان میں ترقی کر لی اور ہر طرح کے ایجاد، اکتشاف واختراع میں پیش قدمی حاصل کر لی اس موضوع پر ایک مفصل بحث کرنا محققوں اور دانشمندان کی ذمہ داری ہے۔ اس موضوع پر دوسری تحقیقی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ البتہ اگر ترقی سے مراد وہ ترقی ہے جیسے اہل غرب واہل شرق جیسے کمونیزم وامریکا نے اپنے یہاں کھلی آزادی کا لباس پہنا رکھا ہے اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ جنس بازی اور برہنہ وعریان رہنے والوں کے لئے کلب کھول دیئے ہیں اور جانوروں اور کتوں کے لئے میراث معین کردی گئی ہے۔ ہر روز مائیکروثوب اور مِنی روپ میں نئی چیز وجود میں آرہی ہے اور وہ تمام اخلاقی برائیاں جس کی مغربی ٹیلی ویژن سے تبلیغ ہوئی ہے اور شیطان اور دجالوں کی تبلیغ ہوتی ہے تو بلاشبہ اسلام اور آئین نے ایسی باتوں کو اپنے یہاں کوئی جگہ نہیں دی ہے۔ شیطانی تبلیغ کے مقابل رحمانی تبلیغ ہمیشہ استقامت پر ہے اور نہ صرف یہی بلکہ پوری طاقت کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا ہے۔ اور فساد وتباہی انسان اور انسانیت کے تمام مراکز کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ یہاں ضروری ہے ریشۂ مفاسد کو ختم کردیں روشن فکر مسلمان ودانشمند حضرات کو اندازہ ہوگا کہ سنت نبویؐ واہل بیتؑ کبھی بھی علمی ترقی اور ٹکینالوجی کی مخالف نہیں رہی ہے۔ اور اسے ہرگز حرام قرار نہیں دیا ہے بلکہ تشویق اور ترغیب کیا ہے۔ مرد ہو یا عورت اس پر ہرگز مناسب لباس پہننا حرام قرار نہیں دیا گیا بس یہ ضروری ہے کہ بدن ڈھکنا چاہئے چونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"پروردگار عالم تمہارے لباس کی حالت وشکل وصورت اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ

وہ صرف تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔"(۱)

سنت پیغمبرؐ ہرگز ممانعت نہیں کرتی کہ مسلمان آزادی کی آواز پہونچانے کے لئے لاؤڈاسپیکر مائیکروفون ٹیپ ریکاڈر کا استعمال نہ کریں اس بات کی بھی ممانعت نہیں کرتی کہ مسجد میں ویڈیو کا استعمال نہ کیا جائے نماز کے علاوہ اس پر اسلامی فیلم یا دینی سبق و تعلیم و تعلم دیکھا یا سنا جائے بلکہ ہر شعائر اسلامی پر شارع مقدس نے تجسیس اور تشویق دلایا ہے سنت پیغمبرؐ مسلمان عورتوں کو (سینژی نیکپن ؟) کے استعمال کی ممانعت نہیں کرتی اور اگر مباح کاموں کے لئے اور بازار جا کر دکانوں سے اپنی ضرورت کا سامان خریدتی ہیں تو سنت پیغمبرؐ اسے حرام نہیں سمجھتی صرف شرعی پردہ حجاب کا خیال رکھیں اپنے دامن کو حرام سے بچائیں نامحرم کو نہ دیکھیں جیسا کہ خود پروردگار عالم کا حکم ہے۔ مختصر یہ کہ سنت نبویؐ ترقی کی مخالف نہیں ہے لیکن اس وقت تک جب کہ یہ انسان انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ہو، اسے بیماریوں سے محفوظ رکھے اور سعادت فی الدارین بخشے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (۲) "اے رسول ان سے پوچھو تو کہ جو زینت کے ساز و سامان اور کھانے پینے کی صاف ستھری چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہیں کس نے حرام کر دیں ہیں۔" ہاں اسلام نے ان تمام چیزوں کو حرام کیا ہے جو گندگی کثافت و نجاست میں شمار ہوتی ہیں اور ان تمام چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور اسکی مخالفت کی ہے۔ پروردگار ہرگز تمہارے لباس اور تمہارے ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے قلوب اور کردار کو دیکھتا ہے۔(۳)

۱۔ صحیح مسلم جلد ۴ ص ۱۹۸۷

۲۔ سورہ اعراف آیت ۳۱

۳۔ صحیح مسلم جلد ۴ ص ۱۹۸۷

اور آنحضرتؐ کا یہ قول کہ: خدا ان مردوں پر لعنت کرے جو زن صفت مخنث بن جاتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت کرے جو مردوں کے مشابہ بن جاتی ہیں (۱) خداوند فرماتا ہے: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (۲) خداوند عالم نے تمہارے لئے دین میں ہرگز کسی قسم کی شدت وسختی قرار نہیں دی۔

روایات واحادیث اسلامی اس موضوع پر بہت ہیں پس انسان اچھے اخلاق اور رویہ کے ساتھ پیش آئے۔

﴿دور جاہلیت اور اسلام کا احسان﴾

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (۳) ''اور جب خود ان میں سے کسی کو لڑکی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور خون کے گھونٹ پینے لگتا ہے۔'' دور جاہلیت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان کو لڑکیوں کا وجود برداشت نہیں ہوتا تھا۔ کوئی انہیں زندہ دفن کر دیتا تھا، کوئی بلندی سے پھینک دیتا تھا کوئی پانی میں غرق کر دیتا تھا اور کوئی ذبح کر دیتا تھا اور اس کا نام حیاء وغیرت رکھ لیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کو دفن کرنا چاہا تو لڑکی نے فریاد کی کہ بابا میری خطا کیا ہے لیکن اس نے دفن کر دیا جس کے بعد مسلمان بھی ہو گیا تو بقول خود اسے اسلام میں کوئی مزہ نہیں آیا اور کسی طرح کا سکون نصیب نہیں ہوا۔ بیشک جاہلیت میں لڑکیوں کو بے قصور مار دینا ایک عظیم جرم تھا لیکن یہ جرم اس جرم سے یقیناً ہلکا تھا جو آج کے دور میں استعمار گر

۱۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۲۲۷

۲۔ سورہ حج ایت/ ۷۷

۳۔ سورہ نحل آیت ۵۷

افراد عالم انسانیت پر ڈھار ہے ہیں اور ایک ایٹمی تجربہ کے لئے لاکھوں بے قصور انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں اور انھیں کسی طرح کا احساس نہیں ہوتا۔ دفن بنات کا سلسلہ اگر چہ دو قبیلوں کی جنگ اور صلح سے شروع ہوئی لیکن بعد میں ایک عام سماجی رسم کی شکل اختیار کرگئی جس کے اسباب اقتصادی، اجتماعی اور صنفی قسم کے تھے اور انھوں نے قوم کو حیوانیت کی منزل تک پہونچا دیا تھا۔ اسلام نے اس رسم کی شدت سے مخالفت کی اور بیٹیوں کو بلند درجہ عنایت فرمایا یہاں تک کہ انہیں گل زندگی قرار دے دیا۔ یہ جاہلیت کو نسیت و نابود کر دیا۔ اسلام نے بیٹی کو باپ کی زندگی کے لئے سامانِ سکون و راحت اور مرنے کے بعد اس کے جنازے کے لئے رونق و زینت قرار دیا ہے اور سرکار دو عالمؐ کی تو نسل بھی دنیا میں بیٹی ہی کے دم سے قائم ہوئی ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کے جناب خدیجہ سے دو فرزند تھے قاسم اور طاہر۔ جنہیں عبد اللہ بھی کہا جاتا ہے دونوں کا انتقال مکہ میں ہو گیا تو لوگوں نے ابتر کہنا شروع کر دیا ابراہیم مدینہ میں ۸ھ کو پیدا ہوئے ہیں ان کا انتقال بھی ۱۰ھ میں ہو گیا۔ اس سورہ میں خیر کثیر بقائے نسل اور تباہیٔ دشمن کی بشارت موجود ہے جو قرآن مجید کا ایک معجزہ ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے: ''اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَر'' اور ابتر جس کی نسل منقطع ہو جائے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خدا نے جس قدر خیر کثیر اپنے پیغمبر کو عطا کیا ہے اتنا کسی اور کو نہیں دیا۔ انتہا یہ ہے کہ ان کے دشمن کو ابتر بنا دیا ہے اور اس کو منقطع کر کے پیغمبر کی نسل کو فاطمہ زہراؑ کے ذریعے قیامت تک باقی اور دائمی بنا دیا ہے اور اسی لئے آپ سے نماز اور قربانی کا مطالبہ کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کو جب بھی کوئی خیر اور نعمت نصیب ہو تو اس کا فرض ہے کہ شکر خدا ادا کرے اور شکر خدا کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نماز قائم کرے اور راہ خدا میں قربانی دے (۱) رسولؐ خدا کے فرزند کے بعد دیگرے جب انتقال

۱۔ ترجمہ قرآن شیخ محسن علی نجفی ص ۶۰۲

ہو گئے تو مکہ کے بڑے معاندین جیسے 'ابوجہل' 'ابولہب' اور 'عتبہ' وغیرہ نے یہ کہنا شروع کیا: محمدؐ لاولد اور ابتر ہیں جب وہ مرجائیں گے تو ان کا نام مٹ جائے گا۔ جس پر یہ سورہ نازل ہوا جس میں یہ نوید اور بشارت سنائی ہم نے آپ کو کوثر دیا ہے آپؐ ابتر نہیں ہے بلکہ آپ کا دشمن ہی ابتر ہے۔ کوثر فوعل کے وزن پر کثرت بیان کرنے کے لئے آتا ہے اور روایات میں کوثر کی تشریح خیر کثیر سے کی گئی ہے۔ اس خیر کثیر کے مصداق کا تعین اگلی آیات ''اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَر'' تمہارا دشمن ہے یعنی کوثر سے مراد حضور کے لئے اولاد کثیر ہے جو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے پھیلی ہے دیکھو اہل بیتؑ کے کتنے افراد شہید کردئے گئے پھر بھی آج دنیا انکی نسل سے پر ہے اور بنی امیہ اور دشمن اہل بیتؑ کا کوئی قابل ذکر فرد باقی نہیں ہے (۱)

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ (۲) اور نوحؑ کشتی بنا رہے تھے اور جب بھی قوم کی کسی جماعت کا گذر ہوتا تو ان کا مذاق اڑاتے تھے نوحؑ نے کہا کہ اگر تم ہمارا مذاق اڑاؤ گے تو کل تمہارا بھی مذاق اڑائیں گے۔

بے دینوں اور احمقوں کا خاصہ ہے کہ ہمیشہ دینداروں کی باتوں کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں اور حقیقت اور واقعیت سے بے خبر اور جاہل رہتے ہیں اور دیندار بھی اس موقع کا انتظار کرتے رہتے ہیں جب حالات خود بیدینوں کا مذاق اڑانے لگیں اور دیندار اسے دیکھ کر خوش ہو سکیں البتہ یہ ایک مبلّغ اور مروج کا صحیح اور ضروری فریضہ یہی واقع کو مدنظر رکھ کر کسی آن بھی غافل نہ ہو۔ اپنے کلام کو ارشادی تاثیر سے مایوس اور ناامید نہ ہو اور فرمان خدا و پیغمبرؐ کو مدنظر رکھ کر برابر ہدایت قوم پر آخر دم تک لگا رہے حد یہ ہے کہ اگر جناب نوح

۱۔ ترجمہ شیخ محسن علی نجفی ص ۶۰۲

۲۔ سورہ ہود آیت ۳۸

پیغمبرؐ کی طرح یقین بھی ہو جائے کہ تبلیغ کا اثر نہ ہوگا، تو پھر وجوب تو ساقط ہو جائے گا لیکن وظیفۂ حسن بہر حال برقرار رہے گا اور اپنا وظیفہ جاری وساری رکھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ پیشہ انبیاء کا ہے۔ نوحؑ کے اس واقعہ سے ہر باپ کے لئے اور ہر امت کے لئے ایک سبق ہے اور خدا کی طرف سے حجت ہے یہ تبلیغ آخر دم تک بیٹے کی ہدایت اور قوم کی ہدایت کے لئے کرتے رہنا چاہیئے اور پھر سامان تسکین بھی کہ اگر بیٹا ڈوب بھی جائے اور قوم غرق بھی ہو جائے تو باپ اور مبلغ اپنے کو قصور وار نہ سمجھیں کہ نوحؑ جیسے پیغمبر کا بیٹا بھی غرق ہو چکا ہے اور یہی حال بیوی اور عورتوں کا بھی ہے۔ ہدایت کرنا اپنا فرض سمجھے پھر اس کے بعد بچنا یا، ڈوبنا غرق نار جہنم ہونا اس کا اپنا عمل ہے۔

یہ ایک طویل بحث ہے کہ یہ علاقائی عذاب تھا یا عالمگیر عذاب تھا اکثر الفاظ اور تفاسیر سے اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ ایک عالمی عذاب اور امتحان تھا اور لوگوں کے لئے عبرت وآزمائش مہم تھی جس کا مقصد تعبیر عرض تھا کہ آیندہ نسلوں کو بتانا تھا کہ حقیقت کے راستوں پر لایا جا سکے اور بعض الفاظ سے یہ امتحان علاقائی ہونے کا بھی اشارہ پایا جاتا ہے اگر چہ یہ بہر حال طے شدہ ہے کہ ایسے عذاب سے رحمت الٰہی کے علاوہ کوئی نہیں بچا سکتا ہے اور اس کا ذریعہ بھی کشتی نجات کے علاوہ کچھ نہیں ہے تاریخ بتاتی ہے جناب نوحؑ کی اولاد حام، یافث اور سام کشتی میں سوار ہوئے اور کنعان غرق ہو گیا زوجہ نوحؑ بھی غرق ہونے والوں میں شامل ہوگئی۔ البتہ واقعہ نوحؑ عجیب ہے بہر حال ہر امت کے لئے ہر زمانہ ہوشیاری کا ایک سبق ہے اور خداوند عالم کے طرف سے بندوں کے لئے حجت ہے۔ ارباب بلاغت کا بیان ہے قران مجید کی کوئی آیت اس آیت سے زیادہ بلیغ نہیں ہے جہاں عذاب الٰہی کے خاتمہ کا عجیب وغریب منظر پیش کیا گیا ہے اگر چہ سارا قرآن معجزہ ہی ہے رسولؐ خدا نے اپنی امت کو وصیت کی اور اہل بیتؑ کو کشتی نوحؑ کے مانند قرار دیا ارشاد فرمایا: اِنَّمَا مَثَلُ اَهْلُ بَيْتِىْ فِيْكُمْ مِثْلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ فِىْ قَوْمِهٖ مَنْ رَكِبِهَا نَجىٰ وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا

غَرِقَ وَهَوَا (۱) رسولؐ خدا نے فرمایا ''میرے اہل بیتؑ کی مثال تمہارے درمیان کشتی نوحؑ کی طرح ہے قوم نوحؑ میں جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا جو لوگ سوار نہیں ہوئے وہ ڈوب گئے اور غرق ہو گئے۔'' ابن حجر نے اپنی مستند معتبر کتاب صواعق محرقہ میں اس حدیث کو لکھ کر فرمایا ہے کہ کشتی سے اس لئے تشبیہ دی ہے کہ جو ان سے محبت رکھے اور ان کی عظمت کا احترام کرے خدا کی نعمت کا شکریہ ادا کرے اور اہل بیتؑ کی ہدایت پر عمل کرے تو مخالفتوں کی ظلمتوں سے نجات پائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ کفران نعمت کے سمندر میں ڈوب جائے گا۔

حطّہ سے تشبیہ: اِنَّمَا مَثَلُ اَهْلُ بَيْتِىْ فِيْكُمْ مِثْلُ بَابِ حطّ فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ مَنْ دَخَلَهُ غُفِرَ لَهُ (۲) ''میرے اہل بیتؑ کی مثال تمہارے درمیان میں ایسی ہی ہے جیسے بنی اسرائیل میں باب حطّہ کی جو اس میں داخل ہوا وہ نجات پا گیا۔'' اور باب حطّہ سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے اس باب میں تواضع کے ساتھ داخل ہونے کو سبب مغفرت قرار دیا ہے باب حطّہ سے مراد یا تو باب اریحا ہے یا بیت المقدس ہے۔ اور اس امت کے لئے اہل بیتؑ رسولؐ خدا کی محبت کو سبب مغفرت قرار دیا ہے۔ کاش ابن حجر سے پوچھتا کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو سفینہ پر سوار ہوئے اور دروازے میں داخل ہوئے۔ اور علماء کی ہدایت پر عمل پیرا ہوئے۔ یا ان لوگوں میں سے ہیں جو کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں اور عقیدہ کچھ رکھتے ہیں اور کام کچھ کرتے ہیں، اور ایسے تو بہت سے نابینا اندھے ظالم علماء ہیں کہ جب کوئی مسلمان ان سے سوال کرتا ہے اور احتجاج کرتا ہے تو فوراً جواب اثبات

۱۔ ہدایت/۲۲۱ مستدرک ج ۲ ص ۱۵۱ تلخیص الذہبی ص ۲۰/ ینابیع المودۃ ص ۳۷ صوعق محرقہ ص ۱۸/ تاریخ الخلفاء جامع صغیر صاف السعاف الراغبین۔ ۲۲۴)

۲۔ مجمع الذائد للہیثمی ج ۹/ص ۱۶۷

واقع دیتے ہیں۔ہم اہل بیتؑ رسولؐ سے اور حضرت علیؑ سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قریب ہیں ہم طبق آیہ شریفہ مودت اور محبت کو اہل بیتؑ کی محبت ومودت کا قرض سمجھتے ہیں کوئی ایسا نہیں جو اہل بیتؑ کے فضائل وعظمت کا انکار کرتا ہو، اس میں کوئی شک اور تردید کی گنجائش نہیں۔ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں ہے پھر یہ حضرات اہل سنت والجماعت سب کے سب اہل بیتؑ کا احترام اور انکی اقتدا کرتے ہیں اور تقدیر تو اہل بیتؑ کی کرتے ہیں لیکن اقتداء وتقلید دشمنان اہل بیتؑ ،قاتلان ومخالفان اہل بیتؑ کی کرتے ہیں۔پھر کہتے ہیں رسول خدا نے فرمایا ہے نصف دین فلان سے حاصل کیا! درحقیقت یہی تناقض ہے یہی خلط وتلبیس ہے اسی کو حق کو باطل میں مخلوط کردینا کہتے ہیں، روشنی کو تاریکی کے غلاف میں بند کردینا ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مومن کے دل میں شیطان ورحمان دونوں کی محبت جمع ہوجائے؟ قرآن میں ارشاد ہے: مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ (١) ''اور اللہ نے کسی مرد کے سینے میں دو دل نہیں قرار دئے ہیں۔'' دنیا کی تمام مکاریوں اور سیاسی چالوں کا واحد جواب یہ آیت کریمہ ہے کہ اللہ نے کسی مرد یا عورت کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے ہیں کہ ایک سے مذہب اختیار کرئے اور دوسرے سے مذہب کے خلاف سیاسی اور دنیاداری کے نظریات اپنائے۔یا ایک دل سے ایک مذہب قبول کرے اور دوسرے دل سے دوسرا مذہب اختیار کرے ایک دل سے دینداری کا کام انجام دے اور دوسرے دل سے دنیاداری کا کاروبار کرتا رہے۔یہ قرآن کریم کا واضح فیصلہ ہے کہ انسان دو متضاد خیالات کا حامل نہیں ہوسکتا اسے ایک ہی راستہ اختیار کرنا ہوگا۔

ایک شخص نے امیرالمومنینؑ سے عرض کی کہ میں آپؑ کو بھی دوست رکھتا ہوں اور معاویہ کو بھی تو آپؑ نے فرمایا کہ :تو کانا ہے یا بالکل اندھا ہوجا یا مکمل طور سے بینائی

١۔سورہ احزاب آیت/٣

اختیار کرلے اور پورے طور سے مجھ سے محبت کر کیونکہ میری محبت جز وایمان ہے۔ محبت امام کا دعوا کرنے کے بعد احکام امامؑ سے انحراف کرنے والے یا حق امام کے کھا جانے والے درحقیقت اسی کانے پن کا شکار ہیں اور انہیں مکمل بینائی نصیب نہیں ہوئی ہے۔

واضح سی بات ہے کہ رسولؐ کا احترم رسالت اور نبوت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور علی بن ابی طالب علیہ السلام کا احترام اور دوستی ولایت کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ وہ ساری قوم کا حاکم اور صاحب اختیار تکوینی اور تشریعی دونوں لحاظ سے ہیں اور ہر قوم کا فرض ہے کہ خدائے متعال کی عبادت کے ساتھ اس کی اطاعت کرے۔ ازواج رسول بھی خدائے متعال کی عبادت کے ساتھ اس کی اطاعت کریں (۱) قرآن فرماتا ہے بے شک نبیؐ تمام مومنین سے ان کے نفس کے بہ نسبت زیادہ اولیت اور انکی بیویاں ان سب کی مائیں ہیں اور مومنیں ومہاجرین میں سے قرابتدار ایک دوسرے سے زیادہ اولویت اور قربت رکھتے ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا چاہو تو کوئی بات نہیں ہے یہ حکم کتاب خدا میں موجود ہے (۲) آیت میں ادعای ماں کے انکار کے بعد ازواج پیغمبرؐ کے ماں ہونے کا اعلان دلیل ہے کہ یہ صرف روحانی رشتہ ہے جسمانی نہیں اور اس رشتہ سے صرف ان سے ازدواج حرام ہے ان کی اولاد سے نہیں۔ ازواج رسول کا احترام بھی صرف زوجیت کی بنا پر ہے کہ ان سے کسی دوسرے کا عقد کرنا حرام ہے، چاہے رسول اکرمؐ زندہ رہیں یا ان کا انتقال ہو جائے۔ اس کے علاوہ باقی معاملات میں ازواج رسولؐ کے احکام دیگر تمام عورتوں کے مانند ہیں اور انہیں کوئی خصوصیت اور خصوصی امتیاز حاصل نہیں ہے اس (۳)..........

۱۔ سورہ احزاب آیت ۵

۲۔ سورۃ احزاب آیت ۶

۳۔ سورۃ نحل آیت ۶ علامہ ذیشان ص ۸۶۹

آیت میں تین اہم نکات بیان ہوئے ہیں ''الف'' نبی کی ولایت مطلقہ: یعنی نبیؐ اپنی امت کے ہر فرد سے زیادہ اولی بالتصرف ہیں یعنی جو اختیارات مومنین کو خود اپنے اوپر حاصل نہیں ہیں وہ نبی کو حاصل ہیں قانونی طور پر بھی اور جسمانی لحاظ سے بھی کہ اگر نبی کا حکم ہو تو اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا واجب ہے جبکہ یہ اختیار از خود نہیں ہے۔

خلافت سے کوئی تعلق نہیں: میدان احد کی جنگ اور داستان بھی بڑی عجیب وغریب ہے ابھی صرف چند دن گذرے تھے کہ مسلمانوں نے پروردگار کی طرف سے غیبی تائید کا مشاہدہ کیا ایمان واخلاص کے مناظر دیکھے، ملائکہ کی فوج اور آسمانی نصرت کے نتائج کا احساس کیا لیکن یکبارگی اتنا بڑا انقلاب آ گیا کہ ذرا سا مال غنیمت دیکھ کر رسول اکرم کا حکم بھول گئے، سردار لشکر کو نظر انداز کر دیا، شیطان کی آواز پر لبیک کہہ بیٹھے۔ ظاہر ہے ایسی قوم کا انجام ایسا ہی ہونا چاہیے کہ اسے ذلت بھی نصیب ہو اور اسکی بدعملی اور زشت کاری کا تذکرہ بھی قرآن حکیم میں محفوظ اور ثبت اور ضبط کر لیا جائے۔ یہ بات بھی انتہائی حیرت انگیز ہے کہ جنگ احد میں لشکر کفار کی قیادت ورہبری ابوسفیان کے ہاتھ اور عہدیداری میں تھی۔ علمدار لشکر طلحہ بن عثمان تھا جس نے آواز دی کہ سچے مسلمان ہو تو مجھے جہنم میں بھیجو یا میری تلوار سے جنت میں جاؤ جس پر حضرت علیؑ نے ایک وار میں اس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دئے اور گھوڑے سے گر پڑا پھر اس کی فریاد پر پاؤں کو چھوڑ بھی دیا کہ یہ علیؑ کے مخصوص رحم وکرم کا تقاضا تھا پھر جناب حمزہؓ نے ایسا جہاد کیا جو معروف ومشہور ہے بالاخرہ وہ شہید ہو گئے، مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو کفار کے کمانڈر خالد بن ولید نے دوبارہ حملہ کر دیا اور جنگ کا نقشہ بدل گیا۔

﴿کسی کا مذاق اڑانا گناہ ہے﴾

بے دینوں کا خاصہ ہے کی ہمیشہ دین داروں کی باتوں کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں ارشاد ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ (۱) ایمان والو خبردار کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے کہ شاید وہ اس سے بہتر ہو اور عورتوں کی بھی کوئی جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑائے کہ شاید وہی عورتیں ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنے بھی نہ دیں اور برے برے القاب سے بھی یاد نہ کریں کہ ایمان کے بعد بدکاری کا نام ہی بہت برا ہے اور جو شخص بھی توبہ نہ کرے تو سمجھو کہ یہی لوگ درحقیقت ظالمین ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے ولید بن عتبہ بن ابی معیط کو بنی مصطلق سے زکواۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا وہ لوگ رسولؐ کے نمایندہ کی آمد کی خبر سن کر استقبال کے لئے باہر نکل آئے ولید نے واپس آکر یہ مشہور کر دیا کہ وہ لوگ جنگ کے لئے تیار ہیں۔ رسول اکرم نے جوابی کاروائی کے لئے تیاری شروع کر دی اچانک آیت نازل ہوگئی کہ خبردار پہلے تحقیق کرو اس کے بعد اقدام کرو روایت کی یہ شکل صحیح ہے تو اس کا مقصد صرف ولید کے فاسق ہونے کا اعلان کیا ہے ورنہ رسولؐ حالات سے اس قدر بے خبر نہیں ہوتا کہ بلا سبب لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جائے اگرچہ ظاہری طور پر صرف فاسق کا ذکر ہے کہ فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق ضروری ہے ورنہ ندامت کا اندیشہ ہے لیکن بعض علماء نے اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ عادل کی خبر کے بارے میں تحقیق ضروری نہیں ہے اور اس پر عمل کر لینا چاہیے۔ اسلام میں تعاون کی بنیاد عدالت اور ایمان ہے۔ قومیت اور نسل پرستی وتعصب نہیں ہے جو بھی ظلم کرے سارے مسلمان کو اس سے مقابلہ کرنا چاہئیے اور پھر صرف صلح کے نام پر چپ نہیں ہو جانا چاہئیے بلکہ عدل وانصاف کے ساتھ اصلاح کرنی چاہئیے۔ خدا برا کرے ان اقوام کا جنھوں نے تجسس کے اس عیب تلاشی 'وَلَا تَجَسَّسُوا' نہ کرو کے خلاف تجسس کا اس قدر آلات ایجاد کر دئے ہیں اور اس قدر حوصلہ افزائی کی ہے کہ ایک

۱۔ حجرات ۱۱

ہمسایہ دوربین سے دوسرے ہمسایہ کے مخفی حالات کے پتہ لگانے کو بھی عیب نہیں سمجھتا اوراس کوسماج کے ترقی یافتہ ہونے کی علامت قرار دیتا ہےاور غیبت اور مذاق اڑانے کو گرمی محفل ومجالس کا بہترین ذریعہ بنالیا گیا ہے یعنی انسان مستقل طور پر آدم خور ہوگیا ہے اور ظاہر ہے کہ جسے اپنے بھائی پر رحم نہ آئے وہ دوسرے انسانوں پر کیا رحم کرے گا۔اسلام میں فضیلت اور شرافت انسانیت کا معیار ہے قوم وقبیلہ وغیرہ نہیں ہے بلکہ تقویٰ وکردار ملاک ہے جہاں پسر نوحؑ وزوجہ نوحؑ غرق کردئے جاتے ہیں اور سلمان کو اہل بیتؑ میں شامل کرلیا جاتا ہے نسبی شرافت پر اکڑنے والے بدکردار افراد آیت کریمہ کی تعلیم اوراحادیث اہل بیتؑ کی تعلیم سے سبق لیں اور اسلام کے مزاج فضیلت اور شرافت کو پہچانیں۔

ایک نمونہ ہے صلح حدیبیہ میں، رسالت میں شک کرنے والے افراد اپنے ایمان کا محاسبہ کریں اور دوسرے افراد بھی قرآنی معیار کو نگاہ میں رکھ کر اسلام وایمان کا فیصلہ کریں قرآن فرماتا ہے: ایمان والو! خبردار کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے اور مسخرہ نہ کرنا۔ اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا.......... (۱) ''اے ایمان والو اگر کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی یا شیطانی میں تم کسی قوم کو نقصان پہنچادو پھر اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔'' قرآنی آیات موارد خاص میں نازل ہوئی ہیں لیکن موارد، مخصص نہیں ہوتے تمام انسان باب اشتراک تکلیف میں شریک ہیں باب اشتراک تکلیف یعنی انسان اپنے وظائف پر پابند اور عامل ہو۔رسول اکرمؐ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بنی مصطلق سے زکواۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا یہ ان کے نزدیک پہنچا تو لوگ نمائندہ رسولؐ کے استقبال کے لئے گھروں سے نکل پڑے ولید ڈر گیا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ولید اوران کے درمیان دشمنی تھی ولید نے رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا وہ زکواۃ دینے سے

۱۔سورہ حجرات آیت ۵ ترجمہ علامہ ذیشان ص ۱۰۶۵

انکار کرتے ہیں رسول کریم رنجیدہ ہوئے اور آپؐ نے ان کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ولید جو رسولؐ اکرم کی نمائندگی بھی کرتا تھا قرآن نے ولید کو فاسق کہا ہے تو کیا ہم اس کو بھی ’’وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ‘‘ میں شامل سمجھیں گے؟ یہی ولید ہے جو عثمان کی طرف سے کوفے کا گورنر تھا اور اس دوران ایک دفعہ اس نے صبح کی نماز نشے کی حالت میں چار رکعت پڑھی اور لوگوں سے کہا مزید اضافہ کروں؟ اور محراب میں شراب کی قے کی !! کچھ اصحاب کو اس بات پر اصرار تھا کہ بنی مصطلق کے خلاف جنگ کرنا چاہیئے مگر رسول کریم تأمل سے کام لے رہے تھے اور ان کا کہنا نہیں مان رہے تھے خطاب ان لوگوں سے ہے جو اس لڑائی میں فریق نہیں۔ ان پر فرض ہے کہ وہ اس لڑائی میں تماش بین نہ بنیں بلکہ مصالحت اور لڑائی بند کرنے کی کوشش کریں اگر وہ اس کوشش میں ناکام ہو گئے تو ان میں سے زیادتی کرنے والوں کے خلاف لڑیں اور جو فریق حق پر ہو اس کا ساتھ دیں باغی کے خلاف لڑائی میں چونکہ اللہ نے حکم دیا ہے لہذا یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے: لَا تَجِدُ قَوْماً یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّاللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْآ اٰبَآءَ ھُمْ اَوْ اَبْنَآءَ ھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ (۱) ’’آپ کبھی نہ دیکھیں گے کہ جو قوم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی ہے وہ ان لوگوں سے دوستی کر رہی ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے دشمنی کرنے والے ہیں چاہے وہ ان کے باپ دادا یا اولاد یا برادران یا عشیرہ اور قبیلہ والے ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ نے صاحبان ایمان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ

۱۔ سورہ المجادلہ آیت ۲۲

(۱) ''ایمان والو خبردار میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بنانا کہ تم ان کی طرف دوستی کی پیشکش کرو جبکہ انھوں نے اس حق کا انکار کردیا ہے جو تمہارے پاس آچکا ہے اور وہ رسول کو اور تم کو صرف اس بات پر نکال رہے ہیں کہ تم اپنے پرودگار (اللہ) پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم واقعا ہماری راہ میں جہاد اور ہماری مرضی کی تلاش میں گھر سے نکلے ہو تو ان سے خفیہ دوستی کس طرح کررہے ہو جب کہ میں تمہارے ظاہر و باطن سب کو جانتا ہوں اور جب تم میں سے کوئی بھی ایسا اقدام کرے گا وہ یقیناً سیدھے راستہ سے بہک گیا ہے۔''

کہا جاتا ہے کہ یہ سورۃ ایک شخص 'حاطب بن بلتعہ کے کردار کے گرد گھوم رہا ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد شریک ہجرت رہا۔ بدر میں جنگ بھی کی لیکن جب فتح مکہ کا موقع آیا تو کفار کو ایک عورت کے ذریعے خفیہ خط بھیج کر انھیں پیغمبرؐ کی تیاری سے باخبر کردیا جس کی وحی الٰہی نبی کو اطلاع دیدی تو آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو چند اصحاب کے ساتھ اس عورت کے تعاقب میں روانہ کردیا اس عورت نے نامہ بر ہونے سے انکار کیا تو حضرت علی علیہ السلام نے قتل کا ارادہ کرلیا۔ اس نے مجبور ہو کر اپنے جوڑے میں سے خط نکال کردیدیا اور حضرت علی علیہ السلام نے واپس آکر اسے رسول اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا آپؐ نے حاطب سے سوال کیا۔ اس نے اقرار کرلیا اور کہا کہ میرے بال بچے مکہ میں تھے میں نے چاہا کہ کفار پر ایسا احسان کردوں کہ کفار انھیں اذیت نہ دیں۔ قدرت نے حاطب کو اس عذر پر معاف کردیا لیکن اس کردار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قابل مذمت قرار دیدیا جہاں مال اور اولاد کی خاطر اسلام کے خلاف سازش کی جاتی ہے اور اسے نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ زمانہ کے حالات پر غور کیا جائے تو آج عوام سے لے کر حکام تک میں حاطب کے خیالات ونظریات

۱۔ الممتحنہ آیت ۱۔ ترجمہ علامہ ذیشان ص ۱۱۳۱

پائے جاتے ہیں۔ جسے بال بچے اور مال و دولت اسلام سے کہیں زیادہ عزیز ہیں اور اسلام کو ہر قدم پر بھینٹ چڑھانے کے لئے تیار رہتی ہے۔ خداوند علام کا ارشاد ہے: تمہارے لئے بہترین نمونہ عمل ابراہیم اور ان ساتھیوں میں ہے جب انھوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے بیزار ہیں ہم نے تمہارا انکار کر دیا ہے اور ہمارے تمہارے درمیان بغض اور عداوت بلکل واضح ہے یہاں تک کہ تم خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ علاوہ ابراہیم کے اس قول کے جوانھوں نے اپنے مربی باپ سے کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا لیکن میں پروردگار کی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتا ہوں۔ خدایا میں نے تیرے اوپر بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کیا ہے اور تیری ہی طرف بازگشت بھی ہے۔ خدایا مجھے کفار کے فتنہ وبلا میں نہ قرار دینا اور مجھے بخش دینا کہ تو ہی صاحب عزت اور صاحب حکمت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہ وعدہ صرف اس لئے کر لیا تھا کہ اس نے ایمان لانے کا وعدہ کر لیا تھا اس کے بعد جب اس نے انحراف کیا تو آپ نے صاف کہہ دیا کہ میں استغفار تو کر سکتا ہو لیکن اختیار پروردگار ہی کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے گا تو معاف کرے گا اور نہیں چاہے گا تو معاف نہیں کرے گا شاید اس طرح ذہن پرودگار کی طرف متوجہ ہو جائے اور وہ راہ راست پر آ جائے جو ہر نبی خدا کی آخری تمنا ہوتی ہے کہ اس کی قوم ہدایت ہو جائے اور گمراہی اور تباہی و برباد ہونے سے بچ جائے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (۱) ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس تک پہونچنے کو وسیلہ تلاش کرو اس کی راہ میں جہاد کرو، شاید اس طرح کامیاب ہو جاءو۔'' وسیلہ اور وساطت میں فقہاء اسلام کے درمیان اختلاف ہے۔

۱۔ سورہ مائدہ آیت ۳۵

﴿دو دانشمند عالموں (سنی اور شیعہ) کے درمیان بحث﴾

موضوع بحث: خدا اور بندوں کے درمیان وسیلہ ضروری ہے۔

شیعہ عالم کا کہنا تھا کہ خدا تک پہونچنے کیلئے اولیاء اور اس کے صالح بندوں کی وساطت وسیلہ صحیح ہے اور ممکن ہے کہ بہت سے گناہ اور دنیاوی مشغولیتیں انسان کی دعا کو اوپر نہ جانے دیں پس ان کو جو اولیا خدا اور اس کے دوست ہیں شفیع اور وسیلہ بنانے سے انسان کی دعا مستجاب ہو جائے گی۔ سنی عالم نے کہا: یہ شرک ہے اور خدا ہرگز اس کو نہیں بخشے گا جو اس کیلئے شریک قرار دے۔ شیعہ عالم نے کہا: یہ بات شرک ہے تو اس پر آپ کی دلیل کیا ہے؟ سنی عالم نے کہا: خداوند عالم فرماتا ہے: "وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا" اور بیشک مسجدیں سب اللہ کے لئے ہیں لہذا اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا۔ یہ سلسلہ بیان قول جن کا تتمہ ہو یا مستقل بیان ہو بہر حال واضح ہے کہ مسجد اللہ کے لئے ہیں لہذا وہاں غیر خدا کی عبادت نہیں ہو سکتی اور یوں تو غیر اللہ کی عبادت کہیں نہیں ہو سکتی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں کا مطالبہ یہ تھا کہ مسجد میں غیر کی پرستش کی جائے جس طرح کی دور حاضر میں مسجد میں بت پرستی کے منصوبے بن رہے ہیں اور اسی لئے کفار قریش رسول اکرمؐ کو وقت نماز ہر طرف سے گھیر لیا کرتے تھے کہ عبادت نہ کرنے پائیں یا بتوں کو بھی شریک کر لیں آپؐ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں خدا کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کر سکتا اور میں اس کے مقابلے میں کوئی اختیار بھی نہیں رکھتا اور نہ کوئی پناہ گاہ رکھتا ہوں میری نجات کا صرف ایک سہارا ہے کہ میں پیغام الٰہی کو پہونچا دوں اور حکم خدا کی تعمیل کروں لہذا میں اس میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کر سکتا۔ بعض افراد نے "وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا" کے ذریعے شفاعت اور توسل کا انکار کرنا چاہا ہے حالانکہ یہ سراسر نادانی اور جہالت ہے اولاً تو یہ دعا عبادت کے معنی میں ہے اور دوسرے یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو بلانا ممنوع ہے نہ کہ خدا کی طرف کسی انبیاءؑ کو وسیلہ قرار دیں واضح رہے کہ خدا اور اولیاء

وانبیاء خدا کے علم غیب حسب ذیل ہیں :۱۔خدا کا علم ذاتی ہے اور اولیاء و انبیاء کا علم عطائی ۲۔خدا کا علم محیط لامحدود اور اولیاء کا علم بقدر مشیت ۳۔خدا کا علم لوح محفوظ سے متعلق ہے اور اولیاء کا علم لوح محفوظ پر محدود ہے ۴۔خدا کا علم غیب فعلی ہے اور اولیا کا علم ارادی ہے لیکن ہمارا اختلاف توسل سے متعلق ہے مثلاً اگر کوئی رسولؐ خدا اولیا اور انبیاء کو وسیلہ بناتا ہے تو اسے اچھی طرح علم ہے کہ محمدؐ و اولیاء خدا سے ہٹ کر نہ نفع پہونچا سکتے ہیں نہ نقصان ۔ہاں خدا کے نزدیک انکی دعا مستجاب ہے ۔پس اگر خدا سے پیغمبرؐ عرض کریں کہ پرودگارا اپنے اس بندہ پر رحم کر اس سے درگزر فرما اور بے نیاز کردے تو خدا بھی انکی دعا کو مستجاب کرتا ہے اور اس باب میں بہت سی روایات البتہ صحیح و معتبر روایتیں موجود ہیں مثلاً یہ کہ آپ کے ایک صحابی نے کہا کہ بینائی واپس کردے تو رسولؐ خدا نے اس سے فرمایا: وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو اور خدا سے دعا کرو۔ پروردگارا میں تجھے تیرے حبیب محمد کا واسطہ دیتا ہوں اور انھیں وسیلہ بنا کر تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری بینائی واپس کردے پس اس کو بینائی مل گئی (۱) اسی طرح ثعلبہ فقیر و نادار صحابی آنحضرت کے پاس آیا اور عرض کیا کہ خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے بے نیاز کردے اس لئے بے نیاز کردے کہ میں صدقہ اور خیرات دینا اور صلح کرنا پسند کرتا ہوں آنحضرتؐ نے بھی خدا سے دعا کی اور خدا نے دعا مستجاب فرمائی ۔ثعلبہ ثروتمند ہوگیا اور اسکی ثروت اتنی زیادہ ہوگئی کہ اس کے پاس مسجد آنے کے لئے بھی وقت نہ تھا اور وہ زکات بھی ادا نہیں کرتا تھا (۲) اس کا قصہ مشہور ہے اور سبھی جانتے ہیں ۔ایک روز آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے درمیان بہشت کی تعریف و توصیف فرما رہے تھے عکاشہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور عرض کی: اے رسولؐ خدا! دعا کریں خدا ہمیں ساکنین بہشت میں

۱۔تاریخ کبیر ج۶ ص۲۱۹۲؟

۲۔الاصابہ ج۱ص ۱۹۸

سے قرار دے رسولؐ خدا نے فرمایا: پروردگارا سے ان میں سے قرار دے۔ایک اور صحابی اٹھے اور انہوں نے بھی یہی درخواست کی آپؐ نے فرمایا: عکاشہ نے تم پر سبقت لی (۱) روایات بہت ہیں ان تینوں روایتوں میں واضح دلیل ہے کہ آنحضرتؐ نے خود کو خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ اور وسیلہ قرار دیا۔سنی عالم: اٹھ کر فوراً بول پڑا میں قرآن سے استدلال کرر ہا ہوں اور یہ ہمارے لئے حدیث پڑھ رہا ہے ضعیف حدیثیں جنکی کوئی ارزش نہیں۔شیعہ عالم نے کہا: قرآن کریم فرماتا ہے: اے مومنو تقوی الہی اختیار کرو اور خدا سے تقرب کے لئے وسیلہ تلاش کرو (۲) سنی عالم نے کہا: وسیلہ وہی عمل صالح ہے شیعہ عالم نے کہا: عمل صالح سے متعلق محکم آیتیں زیادہ ہیں اور ان میں خداوند عالم فرماتا ہے: ''الذین آمنوا وعملوا الصالحات'' وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح بجالائے (۳) لیکن اس آیۃ میں فرمایا ہے ''وَ ابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ'' اس کے تقرب کے لئے وسیلہ ڈھونڈلو دوسری آیت میں فرماتا ہے: ''یَبْتَغُوْا اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ'' وہ خود اپنے پروردگار تک رسائی کے لئے وسیلے کی تلاش میں ہیں۔ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ خدا تک رسائی کے لئے وسیلہ پر بحث تقوی اور عمل صالح کے ہمراہ ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ خدا فرماتا ہے: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ ایمان وتقوی کو وسیلہ پر تقدم حاصل ہے ایمان وتقوی لازمہ وسیلہ ہیں۔سنی عالم نے کہا: اکثر علماء نے وسیلہ کو عمل صالح سے تفسیر کیا ہے۔شیعہ عالم نے کہا: علماء کے سخن اوران کی تفسیر سے دستبردار ہو جایئے اور یہ بتائے کہ قرآن کا قرآن کے ذریعے وسیلہ کو آپ کے لئے ثابت کردیا تو کیا قبول کریں گے؟ سنی عالم نے کہا: محال ہے مگر دوسرا قرآن ہو کہ

۱۔ مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۴

۱۔ مائدہ آیت ۳۵

۲۔ بقرہ آیت ۲۵

جس سے ہم بے خبر ہے، شیعہ عالم نے کہا: میں آپ کے اشارہ واہمہ وخیالیہ کو پوری طرح سمجھ رہا ہوں خدا آپ کو معاف فرمائے اور ہدایت دے اور میں آپ کے لئے اسی قرآن سے ثابت کروں گا کہ جسے ہم سب جانتے ہیں پھر شیعہ عالم نے آیت کی تلاوت کی **قَالُوْا یَا اَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِنَّا کُنَّا خٰطِئِیْنَ** یعقوب کے فرزندوں نے کہا اے ہمارے بابا جان اپنے رب سے ہمارے گناہوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں کیونکہ ہم غلطی پر تھے۔ **قال سوف استغفرلکم ربی انه هو الغفور الرحیم** حضرت یعقوبؑ نے کہا: میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے مغفرت طلب کروں گا وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے(۱) حضرت یعقوب نے اپنی اولاد اور اپنے بیٹوں سے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم لوگ خود خدا سے طلب مغفرت کرو اور مجھے اپنے اور اپنے خالق کے درمیان واسطہ ووسیلہ نہ بناؤ بلکہ اس کے برعکس اس واسطہ کی تائید کی اور فرمایا میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے مغفرت طلب کروں گا اور خود کو اپنے بیٹوں اور خدا کے درمیان وسیلہ قرار دیا۔ سنی عالم بری طرح گھبرا گیا چونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ان آیات میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور وہ اس کی تاویل نہیں کرسکتا تو کہنے لگا ہمیں یعقوبؑ سے کیا واسطہ وہ بنی اسرائیل کے نبی تھے اور ان کی شریعت اسلام آنے کے بعد منسوخ ہوگئی۔ شیعہ عالم نے کہا کیا میں شریعت اسلام اور پیغمبرؐ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلیل پیش کروں۔ وہابی عالم نے کہا ہم سننے کو تیار ہیں۔ شیعہ عالم نے کہا قرآن کی تلاوت **وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآؤُکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا** (۲) اے رسولؐ جب لوگوں نے نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم گناہ کیا اور اس کے بعد انہوں نے

۱۔ یوسف آیۃ ۹۸/۹۷

۲۔ نساء ۶۴

توبہ کی اور خدا سے معافی مانگی اور اے رسول تم سے بھی درخواست کی کہ ان کے گناہوں کی بخشش کے لئے خدا سے دعا کرو تو بلا شبہ وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے۔سوال: خداوند عالم انہیں یہ حکم کیوں دے رہا ہے کہ رسول خدا کے پاس آئیں اور آنحضرتؐ کے حضور میں استغفار کریں اور پھر آنحضرتؐ ان کے لئے طلب مغفرت کریں؟ یہ واضح دلیل قرآن وسنت ہے اور برہان عقلی بھی عیاں ہے۔انکار کرنے والے بے وقوف و ناداں ہیں۔آنحضرتؐ اور انکے اہلبیتؑ خدا کے درمیان وسیلہ ہیں اور خداوند عالم انہیں معاف نہ کرے گا مگر صرف آنحضرتؐ کے وسیلہ سے۔حضرات حاضرین نے کہا اس سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہے۔عالم وہابی جو کہ بری طرح گھبرایا ہوا تھا اور اپنی شکست اور شرمندگی کو قطعی سمجھ رہا تھا کہنے لگا یہ بات صحیح ہے لیکن اس وقت آنحضرتؐ زندہ تھے اب تو ان کو مرے ہوئے چودہ صدیاں بیت چکی ہیں!! شیعہ عالم نے کہا آپ کیسے کہتے ہیں وہ مردہ ہیں؟ رسول خدا زندہ ہیں اور ہرگز نہیں مرسکتے۔سنی عالم شیعہ عالم کی بات پر ہنسا اور مذاق اڑانے لگا اس انداز میں کہنے لگا قرآن نے کہاں یہ کہا ہے: اِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ تم مرجاؤ گے اور وہ بھی مرجائیں گے۔شیعہ عالم نے کہا قرآن یہ بھی تو کہتا ہے: جو راہ خدا میں قتل ہوتا ہے انہیں مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے رزق پاتے ہیں۔وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ (۱) یہ آیت جنگ احد میں نازل ہوئی یہ تاریخ کا اتنا سنگین سانحہ ہے کہ قرآن مجید نے اس کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔مسلمانوں میں جتنی ذہنی خرابیاں تھیں ان سب کا بھی تذکرہ کیا ہے اور انہوں نے جس عملی کمزوری کا ثبوت دیا ہے اس کا بھی اظہار کردیا ہے۔حد یہ ہے کہ ان سے کہا گیا کہ اگر ایمان دار ہو تو راہ خدا میں جہاد کرو۔اگر

۱۔ آل عمران آیت ۱۶۹ علامہ ذیشان ص ۱۷۷

نیا دار ہو تو اپنے نفس سے دفاع کرو لیکن وہ اس کے لئے بھی تیار نہ ہوئے بلکہ جو راہ خدا میں شہید ہو گئے ان کے بارے میں بھی طنز کرنے لگے کہ ہماری بات نہ مان کے اپنی جان گنوا دی پروردگار عالم نے اس خیال پر شدت سے تنبیہ کی کہ شہداء راہ خدا کو مردہ خیال بھی نہ کرنا ۔وہ زندہ ہیں اور رزق بھی پا رہے ہیں فضل و کرم و نعمت سے بھی بہرہ ور ہیں اپنے ساتھیوں کا انتظار بھی کر رہے ہیں اور خوف و حزن سے پاک و پاکیزہ بھی ہیں ان کے جذبہ جہاد پر زخموں کا اثر نہیں ہوتا اور ہر حال میں خدا اور سول کی آواز پر لبیک کہتے ہیں دشمن کے لشکر عظیم کی خبر ملتی ہے تو خدا کی طاقت کا حوالہ دیتے ہیں اور خدا کے لئے جیتے ہیں اور اسی کی راہ میں مر جاتے ہیں ۔یہ آیات ہر دور کے مسلمانوں کے لئے مرقع عبرت ہیں کہ کل والوں نے کمزوری کا مظاہرہ کیا تھا اور دشمن کی طاقت سے ڈر گئے تھے تو آج تک اس کی کہانی دہرائی جا رہی ہے۔تم بھی بزدلی کا مظاہرہ کرو گے تو قیامت تک ملامت و ندامت کا سامنا کرو گے مگر افسوس کہ احد کے منافقین و متجرین کی ذہنی نسل آج بھی اسی انداز فکر کی شکار ہے کہ جو دشمن کی فوج کی طاقت کی توصیف و تعریف کر کے مسلمانوں کے حوصلہ پست کر رہی ہے۔کربلاء میں حسینؑ اور مدینہ میں علیؑ نے خدائی طاقت کا حوالہ دیا تھا اور آج ان کے پیروکار غیور مسلمان جوان جو خدائی طاقت و نصرت کے سہارے دنیا کی ہر بڑی طاقت کو چیلنج اور رسوا کرنے کے لئے تیار ہیں وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (۱) اور جو لوگ راہ خدا میں قتل ہو جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔صبر وصلوۃ وغیرہ و عمل صالح وسیلہ ہے لیکن وسیلہ اور واسطہ کے مراتب میں فرق ہے، صبر صلاۃ سے استعانت اور وسیلہ کے بعد راہ خدا میں شہادت کا تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ شہادت اور شہید راہ خدا صبر وصلوۃ ہی

۱۔ بقرہ آیت ۱۵۴ ترجمہ ذیشان ص ۸۱

کو اپنے جہاد کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ صبر اس کا وسیلہ ہوتا ہے اور صلوۃ اس کا مقصد جیسا کہ جنگ صفین میں امیر المومنینؑ نے فرمایا تھا: ہم اسی نماز کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔ وسیلہ لازم ہے، مصائب کی منزل میں صبر سے کام لینے والے صلوۃ اور رحمت کے حقدار ہو جاتے ہیں تو آل محمدؐ پر صلواۃ کے بارے میں اور آل محمدؐ کو وسیلہ قرار دینے کے بارے میں بھی کوئی اشکال نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے جیسا کوئی صابر نہیں ملتا۔ تاریخ میں ملتا ہے کہ سب سے پہلے یہ کلمہ حضرت علیؑ کی زبان پر آیا تھا جیسے قرآن مجید نے معیار صبر معیار قوت وشجاعت وسخاوت بنا کر محفوظ کر لیا۔ لہذا توسل و وسیلہ کے معیار علیؑ ہیں۔ صفا و مروہ مسجد الحرام سے متصل دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان جناب حاجرہ نے حضرت اسماعیلؑ کے لئے پانی تلاش کرنے میں سعی کی تھی اور اسی کو مناسک حج میں شامل کر دیا گیا ہے اور شعائر اسلامی بھی ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے۔ وہ وسیلہ ہے کہ نبیؐ کی حفاظت کی راہ میں کی جانے والی سعی اس قابل ہوتی ہے کہ اس کی یاد کو زندہ رکھا جائے۔ صفا و مروہ شعائر اللہ ہیں کہ ان سے خدا کی یاد پیدا ہوتی ہے اور انسان اس کے لطف و کرم کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ اس نے جناب حاجرہ پر ایسی مہربانی کی آب زمزم ریگزاروں سے ابلنے لگا اور وسیلہ کی برکت سے حاجرہ کی دعا مستجاب ہوئی ہے۔ مقام سعی مقام استجابت دعا ہے کہ جس طرح پروردگار نے جناب حاجرہ پر خصوصی رحم و کرم فرمایا تھا دوسرے انسانوں پر بھی رحم کرم فرمائے گا۔ توبہ کے ساتھ اصلاح اور کا ذکر بتا رہا ہے کہ توبہ صرف الفاظ اور خیالات کا نام نہیں ہے۔ توبہ کے لئے غلطی کی اصلاح اور جس حقیقت کا کتمان کیا ہے اس کا اظہار ضروری ہے اور اسی لئے روایات میں وارد ہوا ہے کہ توبہ ماضی پر ندامت، حال کی اصلاح اور مستقبل کے ارادہ خیر کا نام ہے ۔ روزانہ صبح کو ڈاڑھی مونڈنے کے بعد منہ پر طمانچے مارنے سے توبہ نہیں قبول ہوتی، یہ عمل وہ ہوتا ہے جس پر رحمت خدا کے منہ پر طمانچہ مار دینے کا اندیشہ رہتا ہے۔ انسان کے اعمال و عقائد کا آخری فیصلہ وقت آخر ہوتا ہے وقت آخر راہ راست پر آ جانے والا حضرت حر ہو جاتا

ہے اور وقت آخر بگڑ جانے والا ابن سعد۔

انسان کو انجام بخیر ہونے کی فکر کرنی چاہیئے اور اس کیلئے دعا کرتے رہنا چاہیئے ورنہ لعنت ابدی کا مستحق ہو جائے گا بہر حال شہداء راہ خدا زندہ ہیں اور ان کی حیات کا انکار نہیں کیا جا سکتا عام انسانوں کو اس کا شعور نہ ہونے کے باوجود مردہ نہ کہنے کی پابند دلیل ہے کہ اسلام عقلی تخیلات کا نام نہیں ہے الٰہی ارشادات پر ایمان لانے کا نام ہے۔ سب سے پہلے یہ فقرہ حضرت حمزہؓ کی شہادت پر مولائے کائنات کی زبان پر جاری ہوا اور آپ ہی کا ارشاد ہے کہ انا للّٰہ خدا کی ملکیت کا اعلان ہے اور انا الیہ راجعون اپنی ہلاکت کا اقرار ہے۔ جب حضرت حمزہؓ کی شہادت کی خبر حضرت علی علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے فرمایا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اس وقت یہ آیہ نازل ہوئی اور یہ کلمہ سب سے پہلے اسلام میں حضرت علی علیہ السلام ہی کی زبان سے نکلا اور پھر خدا کو ایسا پسند آیا کہ اس نے اس کی حکایت فرمائی اور پھر صلواۃ بھی اور اسی وجہ سے نماز میں بھی ان پر صلواۃ بھیجنا واجب کر دیا دیکھو (تفسیر ثعلبی بقرہ ۲ ص ۳۱ فرمان علیؑ) سنی عالم کہنے لگا: یہ آیات ان شہداء کے بارے میں ہے جو راہ خدا میں قتل ہوئے ہیں اس کا محمدؐ سے کیا رابطہ؟ شیعہ عالم نے کہا: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ! آپ پیغمبرؐ جو کہ حبیب خدا ہیں انکے مرتبہ کو شہید سے بھی کم سمجھتے ہیں اور انکی منزلت کو اس طرح کم کرتے ہیں شاید آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ احمد بن حنبل تو شہید مرے اور زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے روزی پا رہے ہیں لیکن محمدؐ دوسرے مردوں کی طرح ہیں؟

سنی عالم نے کہا: یہ وہی چیز ہے جسے قرآن نے بیان فرمایا ہے۔ شیعہ عالم نے کہا: خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ لوگوں کی اصلیت ہم مسلمانوں پر واضح کر دی اور خود آپ کی زبان سے آپکی حقیقت سے ہم آشنا ہوئے۔ ہاں آپ لوگوں نے پوری کوشش کی کہ رسولؐ خدا کے آثار کو مٹا ڈالیں یہاں تک کہ انکی قبر کو بھی مٹانا چاہتے تھے اور جس گھر میں آنحضرتؐ پیدا

ہوئے تھے اسے بھی مسمار کر دیا۔شیعہ عالم نے کہا: آپ تو محال کی بات کر رہے ہیں اس لئے کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہو گیا لہٰذا احادیث کی کتابوں سے استدلال پیش کروں گا۔سنی عالم نے کہا: ہم حدیث کو قبول نہیں کرتے مگر یہ کہ صحیح ہو اور جو کچھ شیعہ نقل کرتے ہیں اسکی کوئی قیمت نہیں۔شیعہ عالم نے کہا: کیا آپ صحیح بخاری جو کتب صحاح ستہ میں سے ہے اس کو قبول کرتے ہیں؟ وہی کتاب جو آپ کے یہاں قرآن کے بعد سب سے معتبر کتاب بخاری ہے۔سنی عالم تعجب سے کہنے لگا کیا بخاری وسیلہ کو جائز سمجھتے ہیں شیعہ عالم نے کہا: ہاں! لیکن افسوس کہ آپ لوگ خود اپنی صحاح نہیں پڑھتے اور خود اپنے نظریوں سے بے خبر ہیں بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ جب بھی قحط پڑتا تھا حضرت عمر بن خطاب عباس بن عبد المطلب کے پاس آتے اور آپ سے طلب باران کے لئے کہتے اور خود بھی کہتے پرودگارا ہم آنحضرتؐ کے زمانہ میں آنحضرت کو وسیلہ قرار دیکر تجھ سے طلب کرتے تھے اور تو ہم پر بارش نازل کرتا تھا۔آج رسولؐ کے چچا کو وسیلہ بناتا ہوں پس ہم پر بارش نازل کر۔راوی کہتا ہے کہ پس خدا ان پر بارش نازل کرتا تھا(۱) پھر شیعہ عالم نے کہا: یہ عمر بن خطاب! جو کہ آپ کے درمیان سب سے بزرگ صحابی رسولؐ ہیں اور ان کے عقیدہ وایمان کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کرتے اس لئے کہ خود آپ کہتے ہیں اگر آنحضرتؐ کے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ عمر بن خطاب تھے اور آپ اس وقت دو باتوں کے درمیان مجبور ہیں کہ کسی ایک کو قبول کریں، یا یہ کہ قبول کریں کہ وسیلہ وتوسل دین اسلام کا ایک اہم جز ہے اور حضرت عمر بن خطاب کو رسولؐ اور رسولؐ کے چچا سے توسل کرنا صحیح تھا یا پھر کہئے کہ عمر مشرک ہیں اس لئے کہ عباس بن عبد المطلب کو اپنا وسیلہ بنایا جبکہ عباس نہ پیغمبر ہیں اور نہ امام حتی اہل بیتؑ میں بھی داخل نہیں ہے جن سے خدا نے ہر قسم کی پلیدی وکثافت کو دور کیا ہے

۱۔صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۵ کتاب بدء الخلق باب مناقب جعفر بن ابی طالب

اس کے علاوہ آپ کے یہاں بخاری امام المحدثین ہے اور انھوں نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اسکی صحت کا اقرار کیا ہے اور یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ جب بھی قحط پڑتا تھا وہ حضرت عباس سے متوسل ہوتے پس خدا ان پر بارش نازل کرتا تھا۔ یعنی خداوند عالم انکی دعا کو مستجاب کرتا تھا پس بخاری اور صحابہ میں وہ محدثین جنھوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے سبھی اہل سنت والجماعت ہیں یہ سب مشرک ہیں۔ سنی عالم نے کہا: اگر حدیث ہے تو تیرے خلاف دلیل ہے نہ کہ تیرے حق شیعہ عالم نے کہا: کس طرح سنی عالم کہنے لگا: اس لئے کہ عمر نے رسولؐ سے توسل نہ کیا اس لئے کہ وہ مر چکے تھے بلکہ عباس کو وسیلہ بنایا اور وہ زندہ تھے شیعہ عالم نے کہا: میں عمر بن خطاب کے قول وفعل کے لئے کسی قیمت کا قائل نہیں ہوں اور ہرگز اسے اپنے لئے دلیل نہیں بناتا لیکن اس روایت کو پیش کیا تاکہ موضوع بحث پر استدلال کروں البتہ میں پوچھتا ہوں کہ کیوں عمر بن خطاب نے قحط کے زمانے میں علی بن ابی طالب علیہ السلام سے توسل نہ کیا جنکی منزلت رسولؐ کے نزدیک ایسی تھی جیسی ہارونؑ کی موسیٰ کے نزدیک اور مسلمانوں میں کسی نے نہیں کہا کہ عباس علی علیہ السلام سے افضل ہیں بلکہ افضلیت علی علیہ السلام محرز وثابت ہے۔ تمام علماء ودانشمندان اسلام کے نزدیک لیکن یہ ایک دوسرا موضوع ہے جس کی بحث کی گنجائش یہاں نہیں ہے صرف اس پر اکتفا کرتا ہوں کہ آپ کہتے ہیں کہ زندوں سے توسل جائز ہے اور یہی ہمارے لئے بڑی کامیابی ہے۔ خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے ہماری برہان ودلیل کو قاطع قرار دیا اور آپ کی دلیل کو باطل کیا اور جب ایسا ہے تو میں آپ لوگوں کے حضور میں توسل کرتا ہوں اس وقت میں بیٹھا تھا فوراً اٹھا اور روبہ قبلہ ہو کر کہنے لگا پرودگارا میں تجھ سے دعا کرتا ہوں تجھ سے تیرے صالح ونیک بندے امام حجۃ مہدی علیہ السلام کو وسیلہ قرار دیکر قربت چاہتا ہوں اچانک سنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور تعجب سے اعوذ باللہ کہتا ہوا تیزی سے باہر چلا گیا۔ حاضرین مجلس اہل سنت بھی تھے اور شیعہ بھی تھے اکثر اہل علم، دانشمندان اور پڑھے لکھے لوگ تھے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے

ہوئے کہنے لگے کیسا بدبخت آدمی تھا کس درجہ ہم سے بحث کرتا تھا اور ہم پر تنقید کرتا تھا اور ہم خیال کرتے تھے صاحب علم آدمی ہے لیکن پتہ چلا کوڑی کا بھی نہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون پروردگارا تیری طرف پلٹا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور ہم سے کہنے لگا اس کی بات کس درجہ ہم پر اثر کرتی تھی حتی آج بھی میں نے اسکی بات کو پسند کیا تھا کہ توسل خدا کی نسبت شرک ہے اور اگر اس جلسہ میں حاضر نہ ہوتا تو اسی گمراہی پر باقی رہتا اور جہنم جاتا خدا کا شکر ہے راہ حق وحقیقت کو واضح کیا۔ وَ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (۱) اور کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل فنا ہو گیا کہ باطل بہر حال فنا ہونے والا ہے۔

یہ ایک وعدہ الٰہی ہے جس کا وقتی صورت حال سے کوئی تعلق نہیں ہے وقتی طور پر باطل اپنی جولانیوں کا مظاہرہ کر سکتا ہے لیکن دائمی اقتدار و اختیار صرف حق کے لئے ہے صاحبان ایمان کو اس وعدہ الٰہی کی بنا پر مطمئن ہو جانا چاہیئے اور سمجھ لینا چاہیئے کہ انجام کار انھیں کے ہاتھوں میں ہے ایمان والوں کا وسیلہ قوی ہے۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ جب رسول مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو خدا کا یہ حکم پہونچا غرض آپؐ نے یہ دعا کی اور خدا نے اسے قبول فرمایا اور سچ کر دکھایا جب فتح مکہ ہوئی تو آپؐ خانہ کعبہ میں تشریف لائے اور بتوں سے خانہ کعبہ کو پاک کیا چنانچہ اس وقت کے واقعہ کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں جابر بن عبداللہ الانصاری سے یوں بیان کیا ہے کہ جب ہم مکہ میں رسولؐ اللہ کے ساتھ داخل ہوئے اور خانہ کعبہ میں آئے تو تین سو ساٹھ بت کعبہ کے گرد عرب کے مختلف قبیلوں کے پوجنے کے واسطے نصب تھے رسولؐ نے انکے گرانے کا حکم دیا چنانچہ وہ سب بت گرائے گئے آخر ایک بہت بڑا بت جس کا نام ہُبل تھا اور اوپر نصب تھا باقی رہ گیا جب

۱۔ سورہ اسراء آیت ۸۱ ترجمہ علامہ ذیشان ص ۶۱۳

اسکو آپؐ نے دیکھا تو حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: تم میرے شانے پر چڑھو یا میں تمہارے شانہ پر چڑھوں اور اسکو گراؤں حضرت علی علیہ السلام نے فرماتا: آپؐ میرے شانہ پر سوار ہوں غرض رسولؐ اللہ حضرت علی علیہ السلام کے شانہ پر چڑھے تو حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں مجھے اس وقت نبوت کا بار بہت گراں معلوم ہوا اور مجھ سے یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ آپ کو حرکت دے سکوں تب آپؐ اتر گئے اور مجھے اپنے شانہ پر سوار کیا غرض جب میں سوار ہوا تو خدا کی قسم میں نے اپنے کو اس قدر بلند پایا کہ اگر چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا

علی بردوش احمد چشم بدور☆عیان شد معنی نور علی نور

میں نے ہبل کو اکھاڑ کر زمین پر پھینکا اور رسولؐ نے فرمایا: ''وَ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَ ذَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا'' اس کے بعد میں آپکے شانے پر سے کود پڑا تو مجھے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی یہ سب تعجب کی بات نہیں ہے علی علیہ السلام رسولؐ اللہ کا وسیلہ تھے رسولؐ اللہ علی علیہ السلام کا وسیلہ تھے اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے اس روایت شریفہ میں چند جگہوں پر وسیلہ ثابت ہے۔ایک تو پیغمبرؐ کا علی علیہ السلام کو اپنے شانوں پر سوار کرنا اور علی علیہ السلام کا پیغمبرؐ کے شانوں پر سوار کرنا اور بتوں کو گرانا ، اور آیہ شریفہ جاء الحق جو پیغمبرؐ نے علی علیہ السلام کے بارے میں فرمائی ، پیغمبرؐ خدا کا وسیلہ ہے تو علی علیہ السلام رسولؐ کا وسیلہ ہے کہ بتوں کو گرایا ، یہ واضح ہے کہ علی علیہ السلام اور آل علی علیہ السلام اور پیغمبرؐ قرب الٰہی کے لئے خالق اور مخلوق کے درمیان اور امت اور پیغمبرؐ کے درمیان اہل بیت رسولؐ وسیلہ ہیں۔

حصہ سوم

﴿توسل بحق پیغمبرؐ، پہلی حدیث﴾

حضرت آدم علیہ السلام نے جب حکم خدا کی نافرمانی (یعنی ترک اولی) کی تو خدا نے اس کے آثار کو برطرف کرنے کے لئے انہیں کچھ کلمات بتائے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کلمات کا واسطہ بنایا اور انکی توبہ قبول ہوگئی۔ (قرآن کریم میں ''وَلاَ تَقْرَبُوْا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ'' کے ضمن میں بیان ہونے والا حکم امر مولوی نہیں بلکہ ارشادی ہے امر ارشادی میں ایک قسم کی نصیحت و پند ورہنمائی ہوتی ہے)

قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے:

فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَبِّهٖ بِكَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ، اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ(۱)

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پرودگار سے باخضوع وخشوع کچھ کلمات کو اخذ کیا اور انہیں وسیلہ بنا کر توبہ کی یقیناً وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

بعض اسلامی محدثین ومفسرین نے ''کلمات'' کی تفسیر میں جو آیت میں وارد ہوا ہے درج ذیل روایت کی روشنی میں اپنا نظریہ پیش کیا ہے جو اس متن پر توجہ کرنے سے روشن ہوجائے گا۔ ''طبرانی'' نے ''المعجم الصغیر'' میں ''حاکم نیشاپوری'' نے مستدرک صحاح ستہ میں ''بیہقی'' نے کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں ''ابن عساکر شامی'' نے اپنی تاریخ میں ''سیوطی'' نے الدر ''المنثور'' میں ''آلوسی'' نے روح المعانی میں عمر ابن خطاب کی سند نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

لَمَّا اَذْنَبَ آدَمُ الَّذِیْ اَذْنَبَهُ رَفَعَ رَأْسَهُ اِلَی السَّمَآءِ فَقَالَ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّاغَفَرْتَ لِیْ فَاَوْحیَ اللّٰهُ اِلَیْهِ وَمَنْ مُحَمَّدٌ؟ فَقَالَ تَبَارَکَ اسْمُکَ لَمَّاخَلَقْتَ رَفَعْتُ رَأْسِیْ اِلیٰ عَرْشِکَ فَاِذَافِیْهِ مَکْتُوْبٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ

....

۱۔ سورہ بقرہ آیت ۳۸

رَسُوْلُ اللّٰہُ فَقُلْتُ اِنَّہُ لَیْسَ اَحَدٌ اَعْظَمُ عِنْدَکَ قَدراً مِمَّنْ جَعَلْتَ اِسْمَہُ مَعَ اِسْمِکَ فَاَوْحیٰ اِلَیْہِ اِنَّہُ آخِرُ النَّبِیِّیْنَ مِنْ ذُرِیَّتِکَ وَلَوْ لا ھُوَ لَمَّا خَلَقْتُکَ

(۱) جب حضرت آدمؑ نے ترک گناہ (ترک اولی) کیا تو انہوں نے آسمان کی جانب منہ بلند کیا اور کہا: پروردگار! میں تجھے محمدؐ کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے بخش دے خدا نے وحی کی کہ محمدؐ کون ہیں؟ آدمؑ نے جواب دیا: جب تو نے مجھے خلق کیا تو میں نے عرش کی جانب سر بلند کیا ،دیکھا اس پر لکھا تھا ''خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں'' میں نے اپنے دل میں کہا کہ محمدؐ اس کی بزرگترین مخلوق ہیں، جنہیں خدا نے اپنے نام کے ساتھ ذکر کیا ہے ایسے میں وحی ہوئی کہ وہ تمہاری ذریت میں سے آخری نبیؐ ہوں گے۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو تمہیں خلق ہی نہ کرتے۔

اس امر کے پیش نظر کہ مورد بحث آیت میں لفظ ''کلمات'' استعمال ہوا ہے لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ کلمات سے مراد وہی محترم شخصیات و ''ذوات مقدسہ'' ہیں جنہیں جناب آدم نے وسیلہ بنایا ہے۔ اور مذکورہ روایت میں ان شخصیات کے اسماء میں سے فقط محمدؐ کا نام ذکر ہوا ہے، اسی لئے شیعہ روایات میں اس حقیقت کو دو طریقوں سے بیان کیا گیا ہے بعض نے ''کلمات'' کی ''ذوات مقدسہ'' تفسیر کی ہے اور بعض نے ان نورانی اشباح، یہ دونوں تفسیر درج ذیل ہیں۔

اِنَّ آدَمَ رایٰ مَکْتُوباً علیٰ الْعَرْشِ اَسْمَاءَ مُعَظَّمَۃً مُکَرَّمَۃً فَسَأَلَ عَنْھَا فَقِیْلَ لَہُ ھٰذِہِ أَسْمَاءُ اَجَلُّ الْخَلْقِ مَنْزِلَۃً عِنْدَاللّٰہِ تَعَالیٰ وَ الْأَسْمَاءُ مُحَمَّدٌ وَعَلِیٌّ وَ فَاطِمَۃُ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ فَتَوَسَّلَ آدَمُ عَلَیْہِ السَّلامُ اِلیٰ رَبِّہٖ فِی قَبُوْلِ تَوْبَتِہٖ وَرَفْعِ مَنْزِلَتِہٖ (۲) حضرت آدم نے عرش پر لکھے ہوئے کچھ ناموں کو دیکھا اور

۱۔ متن حدیث کو در منثور سے لیا گیا (۲) کشف الارتیاب ص ۳۰۷، ۳۰۸

انہوں نے ان اسماء کو وسیلہ قرار دیا اور انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ یہ جلیل القدر مخلوقات کے نام ہیں اور وہ نام عبارت ہیں محمدؐ علیؑ، فاطمہؑ حسنؑ، حسینؑ سے، حضرت آدمؑ نے اپنی ترقی اور توبہ قبولیت کے لئے انہیں اپنا وسیلہ قرار دیا۔

دیگر شیعہ احادیث سے تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدمؑ نے پنجتن کے نورانی اشباح کو دیکھا تھا۔ ان روایات سے مزید آگاہی کیلئے تفسیر برہان کی طرف رجوع کیا جائے۔

(ا) تاریخ واحادیث کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت آدمؑ نبی کریم سے توسل ایک مشہور ومعروف حقیقت ہے۔ کیونکہ امام مالک نے منصور دوانقی سے حرم پیغمبرؐ میں کہا: هُوَ وَسِيلَتُكَ وَ وَسِيلَةُ اَبِيكَ آدَمَ "سید احمد زینی دحلان" اپنی کتاب الدرالسنیہ کے صفحہ ۱۰ پر لکھتے ہیں: قاضی عیاضی نے اس واقعہ کو صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے، امام سبکی نے اپنی کتاب الشفاء السقام "سید مہودی" نے خلاصۃ الوفاء علامہ قسطلانی نے المذاہب اللدنیہ ابن حجر نے الجواہر المنظم میں ذکر کیا ہے یہ واقعہ سند صحیح کے ساتھ نقل ہوا ہے اور علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ: ابن فہد نے اسے اچھی سند سے نقل کیا ہے اور قاضی عیاضی نے اسے سند صحیح سے نقل کیا ہے۔ امام مالک کے ساتھ منصور کے مذاکرہ کو بعد میں ذکر کریں گے وہ تیرے اور تیرے بابا آدم کا وسیلہ ہیں۔

اسلامی شعراء نے اس حقیقت کو نظم کی صورت میں بھی پیش کیا ہے:

بِهٖ قَدْ اَجَابَ اللّٰهُ آدَمَ اِذَا دَعَا ☆ وَنَجىٰ فِیْ بَطْنِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ

قَوْمٌ بِهِمْ غُفِرَتْ خَطِيْئَةُ آدَمَ ☆ وَهُمُ الْوَسِيْلَةُ وَالنُّجُوْمُ الطُّلَّعُ (۲) "ان کے وسیلے سے خدا نے آدم کی توبہ قبول کی اور نوح کو کشتی میں نجات دی یہ وہ ہستیاں ہیں جن

ا۔ مجمع البیان ج ا ص ۸۹، تفسیر البرہان ج ا ص ۸۸۔۸۶، احادیث ۲، ۵، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۲۷

۲۔ کشف الارتیاب ص ۳۰۷، ۳۰۸

کے وسیلے سے گناہ آدم بخش دیا گیا وہ ہستیاں جو خدا اور درخشان ستاروں کے درمیان وسیلہ ہیں۔"

﴿دوسری حدیث﴾

لَمَّا مَاتَتْ فَاطِمَةُ بِنْتِ اَسَدٍ،دَخَلَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰه(ص) فَجَلَسَ عِنْدَ رَأْسِهَا ، فَقَالَ رَحِمَكِ اللّٰهُ يَا اُمِّيْ بَعْدَ اُمِّيْ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَاَبَا اَيُّوبَ الأَنْصَارِی وعُمَرَبن خطّابِ وَغُلاماً اَسْوَدَ يَحْفِرُوْنَ فَحَفَرُوْا قَبْرَهَا، فَلَمَّابَلَغُوْا اللّحدَ ، فَلَمَّا حَفَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) بِيَدِهِ وَاَخْرَجَ تُرَابَهُ فَلَمَّا فَرَغَ دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ (ص) فَاضْطَجَعَ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ الَّذِیْ يُحْيِیْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَیٌّ لايَمُوْتُ اِغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اسدٍ وَوَسِّعْ عَلَيْهَا مَدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّکَ وَالْاَنْبِيَاءَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِیْ. "جب فاطمہ بنت اسد نے دار فانی سے کوچ کیا تو آپؐ ان کے سرہانے بیٹھ کر فرمانے لگے اے میری ماں خدا آپ پر رحم کرے۔ پھر اسامہ ابوایوب انصاری ،عمر بن خطاب اور سیاہ غلام کو طلب کیا کہ قبر کھودیں، جب انھوں نے قبر کھود ڈالی تو جناب رسولؐ خدا نے اپنے ہاتھوں سے لحد تیار کی اور اپنے ہاتھوں سے اسکی مٹی نکالی اور قبر میں پہلو کے بل لیٹ کر یوں دعا کی: وہ خدا جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، وہ زندہ ہے اس کے لئے موت نہیں۔ خدایا! میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور ان کی قبر کو وسیع فرما۔ اپنے پیغمبرؐ کے طفیل اور ان پیغمبروںؑ کے صدقے میں جو مجھ سے قبل تھے

"خلاصۃ الکلام" کے مولف کہتے ہیں: رَوَاهُ الطَّبْرَانِیُّ فِیْ الْكَبِيْرِ وَالْاَوْسَطِ وَابْنُ حَبَّانِ وَالْحَاكِمِ وَصَحَّحُوْهُ(۱) اس حدیث کو طبرانی نے اپنی معجم کبیر اور اوسط اور ابن حبان وحاکم نے نقل کیا ہے اور اسکی صحت کی تصدیق کی ہے۔" سید احمد زینی دحلان" اپنی کتاب الدرالسنیہ فی الرد علی الوہابیہ میں لکھتے ہیں:

۱۔ کشف الارتیاب ص۳۱۲ خلاصۃ الکلام سے منقول

رَوَیٰ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَہ عَنْ جَابِرٍ مِثْلَ ذَالِکَ وَ کَذَا رویٰ مِثْلَہٗ اِبْنُ عَبْدِالْبِرّ عَنْ اِبْنِ عَبَّاس وَرَوَیٰ اَبُوْ نَعِیْم فِیْ حلیۃ الاَوْلِیَاءِ عَنْ اَنَس ذَکَرَ ذَالِکَ کُلَّہٗ الحَافِظُ جَلاَلُ الدِّیْن السُّیُوْطِیُّ فِیْ الجَامِعِ الْکَبِیْر (۱) مشہور و معروف محدث ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے اور ان تمام مطالب کو سیوطی نے اپنی کتاب جامع الکبیر میں ذکر کیا ہے

ہم اس حدیث کو درج ذیل دو کتابوں سے نقل کرتے ہیں (۲) البتہ بعض میں یہ دعا موجود ہے اور بعض میں نہیں ہے۔

﴿تیسری حدیث﴾

بعض اسلامی محدثین نے نقل کیا ہے کہ عرب بادیہ نشین ختمی مرتبتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے: لَقَدْ اَتَیْنَاکَ وَمَا لَنَا بَعِیْرٌ یَئِطُّ لنا (یَئِط "اطیط" سے مشتق ہے جس کے معنی اونٹ کی آواز ہیں) وَلاَ صَبِیٌّ یَغِطُّ (یغط "غطیط" سے مشتق ہے جس کے معنی بچے کا خراٹا ہے جبکہ وہ سو رہا ہو) "ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں حالانکہ نہ ہمارے پاس اونٹ ہے جو بلبلائے اور نہ بچہ ہے جس کی آواز آئے۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔

اَتَیْنَاکَ وَ الْعَذْ رَاءُ تُدْمِیْ لِبَا نُھَا وَقَدْ شُغِلَتْ اُمُّ الصَّبِیِّ عَنْ الطِّفْلِ

وَلاَ شَیْءٌ مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ عِنْدَنَا سِوَی الْحَنْظَلُ العَامِیُّ وَالْعَلْھَز الصل

وَلَیْسَ لَنَا اِلاَّ اِلَیْکَ فِرَارُنَا وَاَیْنَ فِرَارُالنَّاس اِلاَّ اِلیٰ الرُّسُلِ

ہم آپؐ کے پاس آئے ہیں جبکہ ہمارے گھوڑوں کے سینوں سے خون جاری ہے بچے کی ماں کو اپنے بیٹے سے جدا کر دیا گیا ہے ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں، سوائے اندرائن کے پھل کے جسے خشک مری کے ایام میں کھایا جاتا ہے اور خون سے بنی ہوئی بری غذا۔

۱۔ الدر السنیہ

۲۔ حلیۃ الاولیاء "ابو نعیم اصفہانی جلد۳ ص ۱۲۱ ۔ وفاء الوفاء سمہودی جلد۳ ص ۸۹۹

ہمیں آپؐ کے سوا کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آتی آخر عوام کی پناہ گاہ پیغمبرؐ کے علاوہ اور کہاں ہوسکتی ہے۔

اس کے بعد: فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یَجُرُّ رِدَائَہُ حَتّٰی صَعَدَ المنبر فَرَفَعَ یَدَیْہِ اللّٰھُمَّ اَسْقِنَا غَیْثاً مُغِیْثاً...... فَمَا رَدَّ النَّبِیُّ یَدَیْہِ حتّٰی القَتِ السَّماءُ ...... ثُمَّ قَالَ اللّٰہُ دَرُّ اَبِیْ طالب لَوْ کَانَ حیّاً تَقَرَّتْ عَیْنَاہُ مَنْ یُنْشِرنا قولہٗ فَقَامَ عَلِیُّ ابنُ ابی طالب وَقَالَ وَکَاَنَّکَ تُرِیْدُ یَارَسُوْل اللہ قَوْلَہ حضرت علیؑ کھڑے ہوئے اور عرض کی آپ کا مراد اس کا یہ قول ہے:

وابیض یستقی الغمام لوجھہ	ثمالُ الیتمایٰ عصمۃٌ للدرابل
یطوف بہ الھلاک من آل ھاشم	فھم عندہٗ فی نعمۃٍ وفواصل

وہ روسفید جس کی آبرو کے طفیل بادلوں سے بارش طلب کی جاتی ہے یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے۔ آل ہاشم میں سے جو اس بلا میں گرفتار ہیں اس کے اردگرد چکر لگاتے ہیں اور وہ اس کے دامن میں نعمت وسخاوت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: ہاں،

فَاَنْشَدَ عَلِیٌّ اَبْیاتاً مِنَ الْقَصِیْلَۃِ وَالرَّسُوْلُ یَسْتَغْفِرُ لِاَبی طالب علَیَ المِنْبَرِ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِنْ کنانَۃٍ وَاَنْشَکَ

لَکَ الْحَمْدُ وَالْحَمْدُ مِمَّنْ شَکَرَ	سُقِیْنا بِوَجھِالنَّبِیِ الْمَطَرُ

آنحضرتؐ نے فرمایا: میری مراد یہی ہے جو تم نے کہا پھر حضرت علیؑ نے ان (ابوطالبؑ) کے قصیدے کے کچھ شعر پڑھے اور رسولؐ خدا نے بالائے منبر حضرت ابوطالبؑ کے لئے طلب مغفرت فرمائی بعد از این قبیلہ بنی کنانہ سے ایک شخص اٹھا، چند بیت پڑھے اس کے پہلے بیت کا مفہوم یہ:

بارالہیٰ! سب حمد وثنا، تیرے لئے ہیں۔ ہمیں پیغمبرؐ کے طفیل بارش نے سیراب کر دیا۔ اس

واقعہ کے بے شمار مصادر ہیں لیکن میں نے درج ذیل مصادر سے نقل کیا ہے:

الف۔ عمدۃ القاری فی شرح حدیث البخاری جلد ہفتم ص ۳۱ مولف بدرلدین محمود ابن احمد العینی متوفی ۸۵۵ ہجری مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ۔

ب۔ شرح ابن ابی الحدید بر نہج البلاغہ ج ۱۴ ص ۸۰

ج۔ سیرہ حلبی ج ۳ ص ۲۶۳

د۔ الحجۃ المذاہب علی تکفیر ابی طالب تالیف شمس الدین ابی علی فخار بن معد متوفی ۶۳۰ ہجری طبع نجف ص ۷۹

ہ۔ سیرہ ذینی دحلان سیرہ حلبی کے حاشیہ پر ج ۱ ص ۸۱

﴿توسل بذات پیغمبر﴾

اِنَّ سَوَادَبْنَ قَارِبٍ رَضِیَ اللہ اَنْشَدَ لَرَسُوْلِ اللّٰہِ قَصِیْدَتَہُ الَّتِیْ فِیْھَا التَوَسُّلُ وَیَقُوْلُ : وَاَشْھَدُ اَنَّ اللّٰہَ لَارَبَّ غَیْرُہُ وَاَنَّکَ مَأْمُوْنٌ عَلیٰ کُلِّ غَائِبٍ وَاَنَّکَ اَدْنَی الْمُرْسَلِیْنَ وَسِیْلَۃً اِلَی اللّٰہِ یَابْنَ الْاَکْرَمِیْنَ الْاَطَائِبِ فَمُرْنَا بِمَا یَاْتِیْکَ یَا خَیْرَ مُرْسَلٍ وَاِنْ کَانَ فِیْمَا فِیْہِ شَیْبُ الذَّوَائِبِ وَکُنْ لِیْ شَفِیْعاً یَوْمَ لَاذُوْ شَفَاعَۃٍ بِمُغْنٍ فَتِیْلَۃً عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبٍ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور آپؐ (رسولؐ خدا) ہر غائب کے امین ہیں۔ آپؐ دیگر پیغمبروںؑ کے بہ نسبت نزدیک ترین وسیلہ ہیں۔ خدا کی بارگاہ میں اے طیب وطاہر باپ کے بیٹے جو کچھ آپ تک بھیجتا ہے، ہمیں بھی حکم دیں۔ اے خیر الرسل! اگرچہ آپؐ کے احکام پر عمل، سر کے بالوں کے سفید ہوجانے کا سبب بنے آپؐ میری اس دن شفاعت فرمائیں جس دن سواد بن قارب کو دوسروں کی شفاعت ذرہ برابر فائدہ نہ پہونچا سکے گی۔ یہاں تک کہ بعض ان احادیث توسل کی جانب اشارہ کیا گیا جو اہل سنت کی تاریخی اور حدیثی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں۔ ائمہؑ شیعہ کی احادیث میں ذوات مقدسہ سے توسل ایک مسلم الثبوت حقیقت

ہے یہاں تک کہ ان سے منقول بہت سی دعاؤں میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے اب انصاف آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اسلامی احکام کو "ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہب" سے اخذ کریں یا خاندان رسالت وعترت پیغمبرؐ سے جو ثقلین کی رو سے ثقل اصغر اور ہم رتبہ قرآن ہیں، ہم بے شمار دعاؤں میں سے جو صحیفہ علویہ (صحیفہ علویہ، امام علی علیہ السلام کی دعاؤں کا مجموعہ ہے جنہیں شیخ عبداللہ سماہیجی نے جمع کیا ہے) یا دعائے عرفہ "حضرت امام حسین علیہ السلام یا صحیفہ سجادیہ میں ذکر ہوئی ہیں، صرف دعا کے ایک حصے کو نقل کرتے ہیں

﴿توسل اور سیرت مسلمین﴾

جناب رسول خداؐ کے زمانے میں اور ان کے بعد مسلمانوں کی ہمیشہ یہ سیرت رہی ہے کہ ذات اولیاء الٰہی اور ان کے مقام ومنزلت سے توسل حاصل کرتے تھے۔ اب ہم یہاں پر چند نمونوں کا تذکرہ مناسب سمجھتے ہیں۔ ابن اثیر عزالدین علی بن محمد بن عبدالکریم جزری متوفی ۶۳۰ ہجری اپنی کتاب اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ میں لکھتے ہیں:

وَاسْتَسْقَى عُمرَبنُ الْخطّابِ بِالعَبَّاس عَامَ الرَمادَةِ لَمَّا اِشْتَدَّالْقَحطُ فَسقَاهُمُ اللّٰهُ تعالىٰ بِهِ وَ اَخصَبَتِ الْاَرْضُ فَقَال عُمرُ هٰذا وَاللّٰهِ الْوَسِيْلَةُ اِلىٰ اللّٰهِ وَالْمَكانُ مِنهُ وَقَالَ حَسَّانُ: سَئَلَ الْاِمَامَ وَقَدْ تَتَابَعَ جَدْبُنا فَسقى الغَمامُ لِغُرَّةِ الْعبَّاسِ عَمُّ النَّبِيِّ وَ صنوِ وَالِدِهِ الَّذى وَرِثَ النَّبِىَّ بِذَالِکَ دُوْنَ النَّاسِ اَحيا اِلَّا لَهُ بِهِ الْبِلادَ فَاَصْبَحَتْ مُخْضَرَّةَ الْاَجْنَابِ بَعْدَ الْيَاسِ وَلَمَّا سُقِىَ النَّاسُ طَفِقُوْا يَتَمَسَّحُوْنَ بِالعَبَّاسِ وَيَقُوْلُوْنَ هَنِيئاً لَکَ سَاقِى الحَرَمَيْنِ (۱) رمادہ کے سال میں جب قحط اپنے عروج پر تھا تو عمر بن خطاب نے حضرت عباس کے وسیلہ سے باران رحمت کی دعا کی تو خداوند عالم نے ان کے وسیلے سے دعا قبول فرمایا، اور باران رحمت سے

۱۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ ج ۳ ص ۱۱ مطبوعہ مصر

انہیں سیراب کیا، زمین سرسبز وشاداب ہوگئی۔ عمر نے لوگوں سے کہا خدا کی قسم عباس ہمارا وسیلہ ہیں، خدا کی بارگاہ میں ان کی بڑی منزلت ہے (حسّان بن ثابت) نے ان کے متعلق کچھ اشعار کہے: جب قحط نے سب کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا تو پیشوا نے بارش کی دعا کی۔ اس وقت حضرت عباس کی نورانیت کے طفیل ابر آسمان نے لوگوں کو سیراب کیا۔ وہ عباس جو آنحضرتؐ کے چچا اور آپؐ کے والد کے برابر ہیں۔ انھوں نے اس مقام ومنزلت کو اپؐ سے ورثہ میں پایا ہے۔ خداوند عالم نے ان کے وسیلے سے زمین کو سرسبز وشاداب کیا۔ اور جب باران رحمت کا نزول ہوا تو اس کے بعد لوگ حضرت عباس کے بدن کو تبرکاً مس کرتے اور کہتے تھے خوش بحال اے ساقی حرمین!

اس تاریخی مطالعے سے جس کا کچھ حصہ صحیح بخاری میں مذکور ہے پتہ چلتا ہے کہ وسیلے کے مصادیق میں سے ایک محترم ہستیوں سے توسل ہے جو دعا کرنے والے میں شائستگی پیدا کر کے خدا سے قریب کرتا ہے۔ توسل کے سلسلے میں اس سے واضح تر تعبیر کیا ہوگی جو عمر نے کہا ہے ''ھٰذا وَاللّٰہِ الْوَسِیْلَۃُ اِلیٰ اللّٰہِ وَالْمَکَانُ مِنْہُ''

۲۔ ''قسطلانی احمد بن بکر معاصر'' ''جلال الدین سیوطی متوفی ۹۲۳ ہجری اپنی کتاب المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ فی سیرۃ النبوۃ'' میں جو مصر میں چھپی ہے لکھتے ہیں: اِنَّ عُمَرَ لَمَّا اَسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاس قَالَ اَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ کَانَ یَرَاى لِلْعَبَّاسِ مَایَرَیٰ الْوَلَدُ لِلْوَالِدِ فَاْقْتَدُوْا بِہٖ فِیْ عَمِّہٖ وَتَخِذُوْھُالْوَسِیْلَۃَ اِلیٰ اللّٰہِ تَعَالیٰ فَفِیْہِ التَّصْرِیْحُ بِالتَّوَسُّلِ وَ بِھٰذا یَبْطُلُ قَوْلُ مَنْ مَنَعَ التَّوَسُّلَ مُطْلَقاً بِالْاَحْیَاءِ وَالْاَمْوَاتِ وَقَوْلُ مَنْ مَنَعَ ذَالِکَ بِغَیْرِ النَّبِیِّ (۱) ''جب عمر نے عباس کے وسیلے سے بارش کی دعا کی تو کہا ایہا الناس حضور اکرمؐ حضرت عباس کو باپ کی جگہ سمجھتے تھے، ان کی

۱۔ المواھب الدنیہ ج ۳ ص ۳۸۰۔ فتح الباری فی شرح البخاری ج ۲ ص ۴۱۳

پیروی کرو اور انھیں خدا تک پہونچنے کے لئے وسیلہ قرار دو۔ اس عمل سے ان لوگوں کا نظریہ باطل ہو گیا جو توسل کو مطلقاً حرام جانتے ہیں یا پیغمبرؐ کے علاوہ دوسرے شخص کو وسیلہ قرار دینا جائز نہیں سمجھتے۔

۳ جب منصور نے زیارت پیغمبر کی نوعیت کو مدینہ کے ایک مشہور و معروف مفتی "مالک" سے دریافت کیا: یَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ اَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَ اَدْعُوْا اَمْ اَسْتَقْبِلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ "میں رو بہ قبلہ دعا کروں یا پیغمبر کی طرف رخ کر کے؟

مالک نے جواب میں کہا: لِمَ تَصْرِفُ وَجْهَکَ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيْلَتُکَ وَ وَسِيْلَةُ اَبِيْکَ آدَمَ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بل اَسْتَقْبِلْهُ وَاَسْتَشْفِعْ بِهِ فَيُشَفِّعَکَ اللّٰهُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ (۱) ان سے "کیوں روگردانی کرتے ہو؟ حالانکہ وہ تیرا اور تیرے بابا آدمؑ کا روز قیامت وسیلہ ہیں ان کی طرف رخ کرو اور انھیں اپنا شفیع قرار دو۔ خدا ان کی شفاعت کو قبول کرے گا خدا فرماتا ہے: اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کریں"

۴۔ ابن حجر ہیثمی اپنی کتاب الصواعق المحرقہ میں جس کا جواب مرحوم قاضی نے الصوارم المحرقہ کے نام سے دیا۔ امام شافعی سے درج ذیل دو اشعار نقل کئے ہیں:

آلُ النَّبِيِّ ذَرِيْعَتِيْ ☆ هُمْ اِلَيْهِ وَسِيْلَتِيْ

اَرْجُوْبِهِمْ اُعْطٰى غَدًا ☆ بِيَدِ الْيَمِيْنِ صَحِيْفَتِيْ (۲)

---

۱. وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۱۳۷۹

۲۔ صواعق محرقہ ص ۱۷۸ مطبوعہ قاہرہ آئین ۱۶۳

''خاندان پیغمبر خدا تک پہنچنے میں میرا وسیلہ ہیں اور میں ان کے وسیلے سے امیدوار ہوں کہ روز قیامت میرا نامہ اعمال میرا دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔''

ان شواہد کے پیش نظر دعوا کیا جاسکتا ہے کے کہ پیغمبرؐ اور دیگر مقدس ہستیاں ان وسیلوں میں سے ایک وسیلہ ہیں جس کی جانب قرآن نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (۱) وسیلہ فرائض اور ترک محرمات میں منحصر نہیں ہے بلکہ مستحبات بھی جن میں انبیاءؑ سے توسل بھی شامل ہے وسیلہ ہیں کیا کہا جاسکتا ہے کہ تمام دانشوروں اور علماء نے وسیلہ کے معنی کو سمجھنے میں غلطی کی؟ حالانکہ ان کا شمار مصادر حکم وحافظین حدیث و دانشوران اسلام میں ہوتا ہے جو افراد اس قسم کی تصریحات وشواہد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور خواہ مخواہ کی توجیہات وتاویلات سے کام لیتے ہیں۔ پہلے ہی سے ایک نظریہ قائم کرلیا ہے اور اپنے نظریہ کو سچ ثابت کرنے کے لئے ان قرائن وشواہد کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ان کے تعصب اور قبل از ثبوت فیصلہ کا ایک نمونہ پیش کرنے کے لئے اس چیز کو پیش کررہے ہیں جسے بخاری نے اس تاریخی واقعہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔ اس وقت آپ دیکھیں گے کہ حجاب تعصب نے اس مسئلے میں کیا کیا تحریفات کی ہیں۔!

بخاری اپنی صحیح میں نقل کرتے ہیں:

إِنَّ عُمربنُ الْخطاب كَانَ إِذَا قَحِطُوْا اَسْتَسْقَى بِالعَبَّاس بن عَبْدُ المطلب رَضِيَ اللّهُ عَنهُ وَقَالَ اَللّهُمَّ كُنَّا نَتوَسَّلُ اِلَيكَ بِنَبِيِّنَا فَتُسقِينَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسقِينا قَال فَيُسقُونَ (۲) عمر بن خطاب قحط کے موقع پر عباس بن عبدالمطلب کو وسیلہ قرار دیتے اور کہتے تھے: پرودگار ہم پہلے تیرے پیغمبرؐ سے متوسل ہوتے

۱۔ سورہ مائدہ آیت ۳۵

۲۔ صحیح بخاری

تھے اور تو اپنی رحمت ہم پر نازل کرتا تھا اب تیرے حبیبؐ کے چچا سے متوسل ہیں تو ہم پر اپنی رحمت کا نزول فرما۔ اس دوران موسلا دھار بارش ہوئی اور سب سیراب ہوئے۔ حدیث کی صحت میں کسی کو کوئی کلام نہیں حتیٰ ''رفاعی'' جو توسل کی متواتر حدیثوں کو مختلف بہانوں سے رد کرتے رہے ہیں۔ اس حدیث کو انہوں نے بھی تسلیم کیا ہے اور وہ کہتے ہیں:

اِنَّ لَھٰذَا الْحَدِیْثَ صَحِیْحٌ .... فَاِنْ صَحَّ ھٰذَا الْجَوَازُ شرعاً فَنَحْنُ مِنْ اَسْبَقِ النَّاسِ اِلیٰ الْاَخْذِبِہٖ وَالْعَمَلِ بِمُقْتَضَاہُ یقیناً یہ حدیث صحیح ہے.......... اگر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اشخاص سے توسل جائز ہے تو ہم اس پر عمل کرنے میں سب سے آگے ہیں۔

حضرت عباس سے توسل کے بارے میں خلیفہ دوم کے جملے خاص طور سے ان کی اس قسم کے پیش نظر کہ: ''ھٰذا وَاللّٰہِ الْوَسِیْلَۃُ اِلیٰ اللّٰہِ وَالْمَکَانُ مِنْہُ'' واضح ہوتا ہے کہ اس واقع میں توسل سے مراد خدا کی نگاہ میں حضرت عباس کی منزلت اور ان کی ذات کو وسیلہ قرار دینا ہے۔ اسد الغابۃ ج ۳ ص ۱۱۰ ضمناً شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن نعمان مالکی متوفی ۹۸۳ ہجری نے اپنی کتاب ''مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام'' میں عمر کے توسل کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے: اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَقِیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ نَسْتَشْفَعُ اِلَیْکَ بِشَیْبَتِہٖ فَسَقُوْا وَفِیْ ذَالِکَ یَقُوْلُ عَبَّاسُ بْنُ عَتَبَۃَ بْنَ اَبِیْ لَھَبِ

بِعَمِّیْ سَقَی اللّٰہُ الْحِجَازَ وَاَھْلَہٗ　　　عَشِیَّۃَ یَسْتَسْقِیْ بِشَیْبَتِہٖ عُمَر

(۱) ''خدایا میں تیرے پیغمبرؐ کے چچا کے وسیلہ سے باران رحمت کی دعا کرتا ہوں۔ دین اسلام کی راہ میں ان کی خدمات اور ان کی سفید داڑھی کو اپنا شفیع قرار دیتا ہوں، ایسے میں رحمت حق کا نزول ہوا۔ عباس بن عتبہ نے اس واقعے کو اشعار کی شکل میں پیش کیا ہے۔ میرے چچا کی برکت سے سرزمین حجاز اور اہل حجاز سیراب

۱۔ وفا الوفا ج ۳ ص ۱۳۷۵ منقول از مصباح

ہوئے جب بوقت غروب عمران کی داڑھی سے متوسل ہوئے۔

حسان بن ثابت نے بھی اس سلسلے میں شعر کہا ہے: **فَسَقَى الْغَمَامُ بِغُرَّةِ العباس** ''حضرت کے نورانی چہرے کی بدولت ابر نے سب کو سیراب کیا۔'' ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب فتح الباری فی شرح حدیث بخاری میں رقمطراز ہیں کہ حضرت عباس نے اپنی دعا میں کہا: **وَقَدْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ بِیْ اِلَیْکَ لِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّکَ** (۱) خدایا لوگ تیرے پیغمبرؐ کے قرابتدار ہونے کی وجہ سے میری طرف متوجہ ہوئے ہیں۔

قاریان محترم بخوبی واقف ہیں کہ اب شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ مقصود حضرت عباس کے مقام ومنزلت سے توسل ہے قدیم الایام سے کہتے آئے ہیں: ''**تَعْلِیْقُ الْحُکْمِ مُشْعِرٌ بِالْعِلِّیَّةِ**'' شعراً بالعلۃ کسی حکم کے وصف اور عنوان پر موقوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفت اس حکم میں دخالت رکھتی ہے۔ یعنی اگر ارشاد ہے ''**وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ رِزْقُهُنَّ**'' (۲) عورتوں کا نفقہ اس شخص پر واجب ہے جس کے لئے وہ بچہ جنتی ہیں۔ یہاں حکم کی علت کو بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ عورتیں مردوں کے لئے بچہ جنتی ہیں لہٰذا فطری بات ہے کہ مردوں کو انہیں کھانا، کپڑا اور دیگر مخارج فراہم کرنا چاہیے اگر یہ کہا جائے کہ عالم ودانشمند کا احترام کرو تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا احترام علم ودانش کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا اگر عمر کہتے ہیں کہ ''**اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ**'' تو حضرت عباس سے توسل کی علت کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ وسیلہ کے لئے ان کا انتخاب کیوں کیا گیا ہے، جبکہ خود حضرت عباس نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے۔ ''**لِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّکَ**'' ان تمام باتوں کی پیش نظر پورے وثوق ویقین سے کہا جاسکتا ہے کہ صدر اسلام کے مسلمان، صالح

۱۔ فتح الباری جلد ۲ ص ۴۱۳ مطبوعہ دار المصر لبنان

۲۔ سورہ بقرہ آیت ۲۳۳

وپاک دامن ہستیوں کووسیلہ قرار دیتے تھے۔

﴿پیغمبرؐ کے سوگ میں صفیہ کے اشعار﴾

صفیہ بنت عبدالمطلب حضور اکرمؐ کی پھوپھی نے آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ان کے سوگ میں اشعار کہے جس کے دو شعر یہ ہیں:

اَلاَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنْتَ رِجَائُنَا وَکُنْتَ بِنَا بَرًّا وَلَمْ تَکُ جَافِیاً

وَکُنْتَ بِنَا بَرًّا رَئُوفاً نَبِیًّا لَبْیِکَ عَلَیْکَ الْقَوْمُ مَنْ کَانَ بَاکِیاً

یارسولؐ اللہ آپ ہماری امید ہیں۔آپ صالح ونیک تھے، آپ نے کسی پر ظلم نہیں کیا، آپؐ ہمارے لئے نیک ومہربان تھے۔یارسولؐ اللہ اس قوم کے ہر رونے والے کو آپؐ پر آنسو بہانا چاہیے۔یہ دو بیت اصحاب پیغمبرؐ کے سامنے پڑھے گئے مورخین اور سیرۃ نویسوں نے بھی اسے نقل کیا ہے اس سے درج ذیل امور استفادہ ہو سکتے ہیں:

اول: ارواح سے گفتگو اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ان سے خطاب جائز اور رائج تھا۔ وہابیوں کے نظریے کے برخلاف نہ اس قسم کے خطاب شرک ہیں اور نہ لغو وعبث کیونکہ انہوں نے فرمایا (اَلاَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)

دوّم "اَنْتَ رِجَائُنَا" کی روشنی میں حضور اکرم ہر حالت میں اسلامی معاشرے کی امید ہیں حتی ان کی وفات کے بعد بھی ہمارا ان سے رابطہ منقطع نہیں ہوا ہے۔یہاں پر بعض کتابوں کی جانب جسے اہل سنت کے بزرگوں نے آنحضرتؐ سے توسل کے موضوع پر تحریر کیا ہے ،اشارہ کرتے ہیں۔ان کتابوں کے مطالعے سے انسان کو پتہ چلتا ہے کہ علماء اور دانشوروں کی نظر میں اس مسئلے کی کتنی اہمیت ہے اور وہابیوں کے گمان کے برخلاف مسئلہ توسل مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ رائج ہے۔

۱۔ابن جوزی متوفی ۵۹۷ ہجری نے اپنی کتاب بنام وفاء فی فضائل المصطفیٰ میں ایک باب "توسل" اور دوسرا باب آپ کی قبر سے طلب شفا سے مختص کیا ہے

۲۔شمس الدین محمد بن نعمان مالکی متوفی ۶۷۳ ہجری نے ''مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام'' نامی کتاب تحریر کی ہےاوراور سید نورالدین سمہودی اپنی کتاب ''وفاء الوفاء'' میں آنحضرتؐ سے توسل کے باب میں اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔

۳۔ابن داؤد شاذی نے کتاب البیان والاختصار میں بوقت مصیبت علماء اور صالحین کے توسل کو یہاں ذکر کیا ہے۔

۴۔تقی الدین سبکی متوفی ۷۵۶ ہجری نے اپنی کتاب ''شفاء السقام کے صفحات ۱۲۰، ۱۳۳ پر اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے۔

۵۔سید نورالدین سمہودی متوفی ۹۱۱ ہجری نے اپنی مشہور و معروف کتاب وفاء الوفاء لاخبار دار المصطفی کی جلد۲ صفحات ۴۱۸، ۴۱۹ پر مفصل بحث کی ہےاور اس ضمن میں براہین و شواہد پیش کی ہیں۔

۶۔العباس قسطلانی متوفی ۹۳۲ ہجری نے اپنی کتاب المواہب الدنیہ میں اس مسئلے کو ذکر کیا ہے۔

۷۔ابوعبداللہ زرقانی مصری مالکی متوفی ۱۱۲۲ ہجری شارح ''المواہب الدنیہ'' نے آٹھویں جلد کے صفحہ ۳۱۷ پر اس مسئلے سے متعلق بحث و تمحیص کی ہے۔

۸۔خالدی بغدادی متوفی ۱۲۹۹ ہجری مولف کتاب ''صلح الاخوان'' انہوں نے اس کے علاوہ سید محمود آلوسی بغدادی کے جواب میں مسئلہ توسل پر ایک رسالہ تحریر کیا جو ۱۳۰۶ ہجری میں منتشر ہوا ہے۔

۹۔عدوی حمزادی متوفی ۱۳۰۳ ہجری انہوں نے اپنی کتاب ''کنز المطالب' کے صفحہ ۱۹۸ پر مسئلہ توسل کو روشن کیا ہے۔

۱۰۔عزامی شافعی قضاعی مولف کتاب ''فرقان القرآن'' یہ کتاب بیہقی کی الاسماء والصفات نامی کتاب کے ہمراہ ۱۴۰ صفحہ میں منتشر ہوئی ہے۔

ان کتب کے مطالعہ سے جن میں سے بعض نے حق مطلب ادا کردیا ہے خاص طور پر ''صلح الاخوان'' اور فرقان القرآن سرفہرست ہیں پیغمبرؐ سے توسل کے متعلق سیرۃ مسلمین کو ہر دور اور عصر میں سمجھ سکتے ہیں اور اسی طرح ابن تیمیہ کے خرافات نیز اس کے گمراہ کن مذہب کے شاگردوں کی یاوہ سراہوں کے پردے چاک ہو سکتے ہیں۔آخر میں پھر اس نکتہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ ارشاد رب العزت ہے: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (۱) ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس تک پہونچنے کو وسیلہ تلاش کرو اس کی راہ میں جہاد کرو، تاکہ تم میاب ہو جاؤ۔''

یہ آیت بطور اجمال کہتی ہے کہ وسیلہ حاصل کرو لیکن وسیلہ کیا ہے؟ وہ اس آیت میں مذکور نہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ فرائض دینی کی انجام دہی کامیابی کا ایک وسیلہ ہے لیکن وسیلہ صرف فرائض کا بجا آوری میں منحصر نہیں بلکہ اولیاء الٰہی سے توسل کی تاریخ سے یہ بات روشن ہے کہ خود یہ عمل بھی نجات کا وسیلہ ہے اور یہ حقیقت امام مالک کے منصور سے گفتگو اور خلیفہ دوم کا باران رحمت کے لئے آنخضرتؐ کے چچا کو وسیلہ قرار دینے سے عیاں ہے۔

کیا اولیاء خدا کا جشن ولادت اور مجلس غم منعقد کرنا بدعت ہے؟۔

وہابی فرقہ اولیاء خدا کے ایام ولادت، وفات پر منعقد کئے جانے والے جشن اور مجلس غم کو بدعت وحرام جانتا ہے گویا یہ لوگ بزرگان دین اور اولیاء خدا کے سرسخت دشمن ہیں جو یوم ولادت یا وفات وشہادت پر ہونے والے اجتماع پر بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں ''محمد حامد فقی'' جو ''انصار السنۃ المحمدیہ'' جماعت کے صدر ہیں الفتح المجید کے حاشیے پر لکھتے ہیں:

۱۔سورہ مائدہ آیت ۳۵

''الذِّکْرِیَاتُ الَّتِیْ مَلَأَتِ الْبِلاَدَ بِاسْمِ الْاَوْلِیَاءِ ھِیَ نَوْعٌ مِنَ الْعِبَادَۃِ لَھُمْ وَتَعْظِیْمِھِمْ'' (۱) اولیاء کی یاد میں ایام ولادت یا وفات منانا ان کی پرستش کے مترادف ہے اور ایک قسم کی ان کی عبادت و تعظیم ہے۔ ان تمام غلطیوں کی جڑ صرف ایک چیز ہے۔ چونکہ شرک و توحید اور خصوصی طور پر مفہوم عبادت کی انہوں نے کوئی حد معین نہیں کی ہے لہٰذا ہر یادگار اور تعظیم کو عبادت و پرستش سے تعبیر کرتے ہیں۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس نے اپنے کلام میں لفظ ''عبادت'' و تعظیم کو ایک ساتھ قرار دے کر گمان کیا ہے کہ دو لفظ ہم معنی ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔ ہم اپنی آیندہ بحث میں ''عبادت'' کے معانی کو واضح کریں گے اور اس مطلب پر روشنی ڈالتے ہوئے ثابت کریں گے کہ خدا کے صالح بندوں کی ہر تعظیم و تکریم یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ خدا کے بندے ہیں عبادت و پرستش نہیں کہی جاسکتی۔ اس لئے اس بحث پر ایک دوسرے نقطۂ نظر سے (عبادت میں شرک کے موضوع سے ہٹ کر) تحقیق کریں گے۔

شک نہیں کہ قرآن کریم نے بعض انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی فصیح و بلیغ جملات سے بار بار تعریف کی ہے۔ قرآن حضرت یحیٰؑ زکریاؑ اور.......... دوسرے انبیاءؑ کے بارے میں فرماتا ہے: اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسَارِعُوْنَ فِیْ الْخَیْرَاتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَباً وَّرَھَباً وَکَانُوْا لَنَا خَاشِعِیْنَ (۲) وہ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور امید و بیم کے عالم میں ہمیں پکارتے تھے اور ہمارے سامنے فروتن و عاجز تھے۔

اب اگر کوئی شخص ایسی مجالس میں جو انبیاءؑ کے نام سے برپا ہوں، اور ان کی تعریف اسی آیت یا اس جیسی دوسری آیات کی روشنی میں کرے اور اس طرح ان کی تعظیم

....

۱۔ فتح المجید ص ۱۵۴

۲۔ سورہ انبیاء آیت ۹۰

وتکریم کرے تو کیا ایسے شخص نے قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کی پیروی کی ہے؟ خداوند متعال خاندان رسالت کے بارے میں یوں فرماتا ہے۔ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْناً وَّیَتِیْماً وَّاَسِیْراً (۱) ''وہ دوست رکھنے کے باوجود مسکین ویتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔'' ایسی صورت میں اگر پیروان علیؑ ان کے میلاد کے دن باہم مل بیٹھیں اور یہ کہیں کہ علیؑ وہ شخص ہیں جو اپنا کھانا مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو دیا کرتے تھے، تو یہ ان کی عبادت کہلائے گی؟ اگر میلاد پیغمبر گرامی کی ولادت کے دن ایسی آیات جن میں پیغمبرؐ کی ستائش کی گئی ہے اس کا کسی زبان میں ترجمہ کر کے شعر کے قالب میں ڈھال کر کسی مجمع میں پڑھیں تو یہ کس دلیل سے فعل حرام ہو سکتا ہے؟

وہ لوگ جو بدعت کے خلاف جنگ کے عنوان سے اس عمل میں رکاوٹ ڈالنا چاہتے ہیں وہ پیغمبرؐ اور اولیاء الٰہی کی تکریم کے دشمن ہیں۔ یہاں پر ایک سوال اٹھایا جاتا ہے جس پر وہابی مبلغین بہت زور دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ: یہ مجلس ومحافل چونکہ مذہب کے نام سے برپا کی جاتی ہے اور ان کی نسبت اسلام کی طرف دی جاتی ہے۔ لہٰذا بقول ان کے ضروری ہے کہ دین اسلام کی طرف سے بطور خصوصی یا عمومی اس کی تائید کی گئی ہو ورنہ وہ بدعت وحرام ہوں گی۔ اس سوال کا جواب انتہائی روشن ہے، کیونکہ قرآن کی وہ آیات جو ہمیں تکریم پیغمبرؐ کے لزوم کی دعوت دیتی ہیں، اس سلسلہ میں کافی ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی مجالس مردانِ حق، انبیاءؑ اور ائمہؑ کی تعظیم وتکریم کے عنوان سے ہی منعقد ہوتی ہیں۔ یہ بات آپ کے یہاں مسلم ہے کہ ''بدعت'' وہ چیز ہے جس کی قرآن وسنت کی رو سے بالخصوص یا بالعموم تائید نہ ہوئی ہو۔ بزرگوں کی یادگار منانا دنیا کی تمام قوموں میں رائج ہے۔ اور اس کا مقصد تکریم واحترام کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ تمام عالم اسلام میں صرف چند گنے چنے وہابیوں

۱۔ سورہ دہر آیت ۸

کے علاوہ تمام معاشروں میں اس کا رواج ہے اگر یہ کام بدعت یا جدت ہوتا اور اسلامی اصول وضوابط پر منطبق نہ ہوتا تو ممکن نہ ہوتا کہ تمام علماء اسلام اس قسم کی محفلیں منعقد کریں اور ان میں مقالات واشعار پڑھکر انہیں پر شکوہ بنائیں۔

اب یادگار منانے کے سلسلے میں قرآن کریم سے کچھ دلائل پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل:

قرآن مجید اس گروہ کی ستائش کرتا ہے جو پیغمبرؐ اسلام کی تعظیم کرتے ہیں:

فَالَّذِینَ آمَنُوا بِهِ وَ عَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهُ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۱) وہ لوگ جو پیغمبرؐ پر ایمان لائے، ان کی تعظیم کی اور ان کو گرامی رکھتے ہوئے ان کی مدد کی۔ اور وہ نور جو قرآن انکی طرف بھیجا گیا ہے اس کی پیروی کی وہ فلاح پانے والے ہیں۔

اس آیت میں جو جملات آئے ہیں وہ:۱۔ آمَنُوا بِه ۲. عَزَّرُوهُ ۳. نَصَرُوهُ ۴. اتَّبَعُوا النُّوْرَ سے عبارت ہیں آیا کوئی احتمال دے سکتا ہے کہ آمَنُوا بِهٖ نَصَرُوهُ اور واتَّبَعُوا النُّوْرَ عصر پیغمبرؐ سے مخصوص ہے؟ ہرگز نہیں اگر یہ احتمال ان تین جملوں کے بارے میں نہیں دیا جاسکتا تو جملہ عَزَّرُوهُ جس کے معنی تعظیم وتکریم ہیں۔ وہ بھی قطعی طور پر زمان پیغمبرؐ سے مختص نہیں ہوگا۔ اور اس رہبر عظیم الشان کی ہمیشہ تعظیم وتکریم کرنی چاہیے۔ عجیب بات ہے کہ وہابی فرقہ خود اپنے فرمانرواؤں کے آگے اس طرح کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ اور ایک معمولی آدمی کا اتنا احترام کرتا ہے۔ جس کا ہزارواں حصّہ بھی اگر پیغمبرؐ کے حق میں انجام دیا جائے تو اسے بدعت ومخالف اسلام قرار دیتا ہے۔ اور نتیجہ میں اقوام عالم کی نظر اسلام کا تعارف خشک احساس وعواطف سے عاری دین کے طور پر کراتے ہیں اور اس

....

۱۔ سورہ اعراف آیت ۱۵۷

شریعت کو جو سہل و آسان فطرت وعواطف انسانی کے مطابق ہے۔ نیز افراد کو قبول کرنے کیلئے اس کا دامن وسیع ہے۔ اسے انسانی احساسات وجذبات سے لاپرواخشک وجامد دین کے عنوان سے معرفی کریں جس سے دیگر اقوام وملل کو قبول کرنے کی صلاحیت مفقود ہے۔

﴿توکل، توسل اور تفکر کے آثار ونتائج احادیث کی روشنی میں﴾

معصومینؑ کی احادیث میں توکل کے اچھے آثار بیان کئے گئے ہیں ان میں سے بعض کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں: ۱۔ قوت اور شجاعت: حدیث نبویؐ ہے: مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَکُوْنَ اَقْوٰی وَاَشْجَعَ النَّاسَ فَلْیَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ (۱) ''جو شخص لوگوں میں سب سے زیادہ طاقت اور شجاعت کا خواہشمند ہو اسے چاہیئے اللہ پر توکل کرے۔ حضرت جوادؑ الائمہ فرماتے ہیں: اَلثِّقَۃُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی ثَمَنٌ لِکُلِّ غَالٍ وَسُلَّمٌ اِلٰی کُلِّ عَالٍ (۲) اللہ پر توکل واعتماد ہر قیمتی چیز کی قیمت اور تمام بلندیوں تک پہونچنے کی سیڑھی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مومن اور تربیت شدہ افراد اپنے کاموں کو خدا کے حوالے کرتے ہیں وہ زندگی کے تمام مراحل میں اسے ہی اپنا پشت پناہ سمجھتے ہیں جیسا کہ حضرت امام سجادؑ خداوند سے ایسا توکل مانگتے ہیں جو صدق وحقیقت سے بھرپور ہو۔ ''وَحَبْ لِیْ صِدْقَ التَّوَکُّلَ عَلَیْکَ'' اگر کوئی توکل کے اس مرتبے تک پہونچ جائے کہ زندگی کے سخت ترین حالات (جب بظاہر نجات کے تمام دروازے بند نظر آتے ہیں) بھی صرف اللہ پر توکل کرے اور صرف اسے ہی اپنا کارساز سمجھے تو ایسا شخص یقیناً توکل کے بلند ترین مرتبے کا حامل ہوگا۔

خدا پر عدم اعتماد کا نتیجہ: مذکورہ بیانات کی روشنی میں اللہ پر توکل اور اعتماد کی اہمیت واضح ہوگئی ۔ہم اللہ کو چھوڑ کر لوگوں پر اعتماد کرنے کا نتیجہ حضرت امام صادق کی ایک حدیث کی روشنی

۱۔ مستدرک الوسائل جلد۲ ص ۲۸۸

۲۔ بحار الانوار جلد ۷۵ ص ۳۶۴

میں بیان کرتے ہیں: حسین بن علوان کا بیان ہے کہ: میں ایک ایسی محفل میں بیٹھا ہوا تھا جس میں ہم علم ودانش حاصل کرنے کے لئے شریک تھے میرا سفر خرچ ختم ہو چکا تھا، اس کے حاضرین میں سے کسی نے کہا اس مشکل مسئلے میں تمہیں کسی سے مدد کی امید ہے؟ میں نے جواب دیا فلان سے اس نے کہا اللہ کی قسم تیری حاجت پوری نہیں ہوگی اور تم اپنی آرزو حاصل نہ کرسکو گے میں نے پوچھا تم کیسے جانتے ہو؟ کہا میں نے یہ پڑھا ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے مجھے قسم ہے اپنی عزت وعظمت، بزرگی اور تمام اشیاء پر اپنے تسلط کی جو شخص بھی میرے علاوہ دوسروں سے اپنی تمنائیں وابستہ کرے گا تو میں اس کی آرزؤں کو ناکام بنادوں گا، اور اسے ذلت وخواری کا لباس پہنا دوں گا کیا وہ مجھے چھوڑ کر دوسروں سے امید رکھتا ہے اور دوسروں کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ حالانکہ تمام بند دروازوں کی چابیاں میرے پاس ہیں۔ کون ہے جس نے پریشانیوں میں مجھ سے امید باندھی ہو اور میں نے اسے مایوس کر دیا ہو؟ کون ہے جس نے عظیم مشکلات میں میرا سہارا ڈھونڈا ہو اور میں نے اسے سہارا نہ دیا ہو؟

رسولؐ خدا نے انسان کو علم ودانش کے حاصل کرنے کے لئے تشویق دلائی ہے اور فرمایا ہے ''گہوارہ سے قبر تک علم ودانش حاصل کرو'' صرف یہی نہیں بلکہ اسے سب سے بلند مقام کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں ''اگر انسان عرش سے آگے کا حوصلہ بھی رکھے تو وہاں بھی پہونچ سکتا ہے'' لہٰذا اسلام علم ودانش اور ترقی کے میدان میں بہت آگے ہے اور اسمیں کسی قسم کی رکاوٹ کا قائل نہیں ہے البتہ اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ کہیں بات طولانی نہ ہو جائے اور کتاب کے اصل مقصد سے خارج نہ ہو جائے تو اس موضوع پر ایک مفصل بحث کرتا۔ محققوں اور دانش مندوں کی ذمداری ہے اس موضوع پر دوسری تحقیقی کتابوں کا مطالعہ وکوشش کریں جب ترقی سے مراد فقط علمی، فقہی ٹکنیکی اور صنعتی ترقی وغیرہ ہو جیسے یورپی ممالک کا ہے اور مسلمان اس سے بے خبر ہیں ان کے خیال میں یہ ساری قابل توجہ ایجادات اور علمی ترقی غیر مسلموں کے ہاتھوں ہوئی ہے اور اسلام انکی پسماندگی کا باعث ہے

خصوصاً بعض کمونیزم پرست جو دین کو قوم کے لئے افیون سمجھتے ہیں اگر ان کے پاس انصاف ہوتا تو یہ سمجھ لیتے کہ دین اسلام نے ہی قوموں کو زندہ کیا ہے اور انسانی ترقی کو دائمی رفتار بخشی ہے کیا یہی اسلام نہ تھا جس نے ایک ناچیز قوم کو جس کے پاس کچھ بھی نہ تھا اسے جزیرۃ العرب میں ہر چیز کا مالک بنا دیا؟ اور اس درجہ کہ یہی پسماندہ سرزمین ساری دنیا کے لئے علم و ترقی اور مدنیت کا مقصد و مرکز بن گئی اور بعض یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ اسلام و عرب کا سورج یورپ پر چمکنے لگا۔ اور یہ اقرار کیا کہ ان بادیہ نشین عربوں نے اسلام سے متمسک ہونے کے بعد بھلائی کے میدان میں ترقی کر لی اور ہر طرح کے ایجادات و اکتشافات میں پیش قدم ہو گئے ۔ آج عالم ،حقیقی اسلام ،اسلام ناب محمدیؐ کی تہذیب کا تشنہ ہے۔ بہر حال علامہ طباطبائی (قدس سرہ) فرماتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مادی دنیا میں ارادے کو عملی جامہ پہنانے اور مقصد تک رسائی کے لئے مادی اور روحانی اسباب وعلل کی ضرورت ہوتی ہے جب انسان میدان عمل میں اترتا ہے اور ضرورت کے تمام ظاہری و مادی اسباب فراہم کرتا ہے تو اب مقصد تک رسائی کی راہ میں صرف چند معنوی و روحی عوامل ضروری ہے مثلاً عزم و ارادے کی سستی ،ڈر، غم واندوہ، عجلت پسندی ، بے اعتنائی ، بے وقوفی ، نا تجربہ کاری و اسباب وعلل کی تاثیر کے بارے میں بدگمانی وغیرہ حائل اور مانع ہوتے ہیں۔ اس حالت میں اگر کسی کو اللہ تعالی پر توکل ہو تو اس کا عزم و ارادہ قوی اور روحانی رکاوٹیں توکل کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دیتی ہیں کیونکہ انسان توکل کی صورت میں مسبب الاسباب (جو تمام کو پیدا کرنے والا ہے) کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے اور اس ارتباط کی موجودگی میں کسی قسم کی پریشانی اور تشویش کی گنجائش نہیں رہتی۔ یوں وہ شخص عزم راسخ کے ساتھ رکاوٹوں کا مقابلہ کرتا ہے تاکہ منزل مقصود تک پہونچ سکے۔ علاوہ ازایں توکل کا دوسرا پہلو غیبی اور ماورائے طبیعی پہلو ہے یعنی اللہ تعالی صاحب توکل انسان کی غیبی امداد اس طرح سے کرتا ہے کہ جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔

بظاہر یہ آیت ''وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ'' اسی قسم کی مدد کی نوید سناتی ہے۔ توکل، توسل اور تفکر کے بارے میں معصومینؑ کی بعض احادیث سے بھی علامہ طباطبائی (قدس سرہ) کے کلام کی تائید ہوتی ہے: مثلاً امیر المؤمنین فرماتے ہے: مَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللهِ ذَلَّتْ لَهُ الصِّعَابِ وَتَسَهَّلَتْ عَلَيْهِ الاَسْبَابِ و تبوء الحفض و الكرامة (۱) ''جو شخص اللہ پر توکل کرے اس کے لئے مشکلات آسان ہوجاتی ہیں، اسباب و وسائل کی راہ ہموار ہوجاتی ہے اور عزت و سکون حاصل کرتا ہے، زندگی آرام وسکون سے گزرتی ہے۔

یہ حدیث واضح طور پر علامہ طباطبائیؒ کے کلام پر دلالت کرتی ہے۔ صاحب توکل انسان اس قسم کی مشکلات پر غالب آتا ہے یہی وجہ ہے ''طیرہ'' یعنی بدشگونی (جو ایک منفی درونی عامل ہے اور بہت سے لوگوں کے اذہان پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کی قوت عمل متاثر ہوتی ہے) کا اثر توکل کرنے والوں پر نہیں ہوتا۔ رسول گرامیؐ اسلام کا فرمان ہے: طِيَرَه شرک وَمَا مِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ (۲)

طیرہ (فال بد لینا) شرک ہے، ہم میں سے ہر کوئی اس میں مبتلاء ہیں لیکن اللہ تعالیٰ توکل کے باعث اس کی نحوست اور بدبختی کو برطرف فرماتا ہے، یہ دنیا عالم اسباب ہے اور انسان اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے ذرائع و اسباب کا سہارا لینے اور لوگوں کے ساتھ رابطہ رکھنے پر مجبور ہے۔ لیکن بنیادی اور اہم نکتہ یہ ہے کہ اگرچہ انسان اپنی دنیاوی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے وسائل و اسباب کا محتاج ہے لیکن اسے چاہئے کہ وہ ''مسبب

۱۔ شرح غرر ج ۵ ص ۴۲۵)

۲۔ سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۷۱

الاسباب'' کوفراموش نہ کرے بلکہ وسائل واسباب کوذات احدیت اوراس کے ارادے کا ایک پرتو سمجھے، ایسا نہ ہو کہ وہ مخلوق وخالق اور قادر کو مقہور ومغلوب سمجھنے لگے۔ اس بات میں شک کی گنجائش نہیں کہ توسل، تفکر وتوکل عجیب وغریب اثرات کے حامل ہیں۔ یہ اثرات انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں پر مرتب ہوتے ہیں۔ توکل، توسل اور تفکر کے آثار اس قدر عظیم ہے کہ جب تک انسان اس وادی اور میدان میں قدم نہ رکھے اس وقت تک وہ اس کی اصل حقیقت کونہیں سمجھ سکتا۔ یہاں ہم قرآن مجید کی روشنی میں توکل کے بعض آثار کی طرف اشارہ کرتے ہیں: فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (۱)

''جب تم عزم وارادہ کر چکو تو اللہ پر توکل کرو۔ کیونکہ اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

واضح رہے کہ اس کے قبل کی آیتوں میں بار بار امر استعمال ہو چکا ہے امر سے مراد بھی وہی جنگ ہے اس کا خلافت سے کوئی تعلق نہیں رسول اکرمؐ زخمی ہو گئے ہندہ نے جناب حمزہؓ کا کلیجہ چبایا اور آج عالم اسلام میں ابوسفیان، خالد ہندہ وغیرہ عظیم کردار کی حثیت رکھتے ہیں اور حضرت علیؑ حضرت حمزہؓ حضرت جعفرؓ وغیرہ گویا ناقابل ذکر شخصیتیں ہیں بلکہ اتباع معاویہ کی نظر میں تو قابل سب وشتم بھی ہیں۔ (۲) وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (۳) ''اور کافروں اور منافقین کی پیروی نہ کرونیز ان کی اذیتوں کی پرواہ نہ کرو اور اللہ پر توکل کرو اللہ کی حمایت تمہارے لئے کافی ہے یعنی توکل کے سائے میں کسی سے نہ ڈرو۔

۱۔ سورہ آل عمران آیت ۱۵۹

۲۔ عمران آیت ۱۴۹ ارترجمہ علامہ ذیشان حیدرص ۱۷۱

۳۔ سورہ احزاب آیت ۴۷

حصہ چہارم

﴿ترک گناہ اور شیطان کے غلبہ سے رہائی﴾

انہ لیس لہ سلطان علی الّذین آمنوا وعلیٰ ربھم یتو کلون (۱)

یعنی شیطان کو ان لوگوں پر کوئی تسلط حاصل نہیں جو ایمان لے آئے ہیں اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔ پس جس قدر آپ کا ایمان وتوکل محکم ہوگا اسی حساب سے آپ شیطان کے قابو سے آزاد ہونگے۔ نتیجتاً آپ گناہ وانحراف سے بچے رہیں گے۔

تاریخ واحادیث کی کتابوں کے ملاحظہ ومطالعہ سے یہ وسیلے کی بات واضح وثابت ہوتی ہے کہ حضرت آدمؑ کا نبی کریمؐ سے توسل مشہور ومعروف حقیقت ہے، امام مالک نے منصور دوانقی سے حرم پیمبرؐ میں کہا: ھُوَ وَسِیلَتُکَ و وَسِیلَۃُ اَبِیکَ آدَمَ "وہ تیرے اور تیرے بابا آدم کا وسیلہ ہے"

امام مالک کے ساتھ منصور کے مذاکرہ کو بعد میں ذکر کریں گے۔ اسلامی شعراء نے اس حقیقت کو نظم کی صورت میں بھی پیش کیا ہے:

بِہٖ قَدْ اَجَابَ اللّٰہُ آدَمَ اِذَا دَعَا ☆ وَنَجیٰ فِیْ بَطْنِ سَفِیْنَۃِنُوْحٍ

قَوْمٌ بِھِمْ غُفِرَتْ خَطِیْئَۃُ آدَمَ ☆ وَھُمُ الْوَسِیْلَۃُ وَالنُّجُوْمُ الطّٰلَعُ (۲)

''ان کے وسیلے سے خدا نے آدم کی توبہ قبول کی اور نوح کو کشتی میں نجات دی یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے وسیلے سے گناہ آدم بخش دیا گیا وہ ہستیاں جو خدا اور درخشان ستاروں کے درمیان وسیلہ ہیں۔''

ہر انسان کی سعادت وشقاوت کامیابی وناکامی نیز اچھے یا برے انجام کا دارومدار اس کے اپنے عمل پر ہے۔ چابی آل نبیؐ کے ہاتھ پر ہوگی۔ اس میں شک وتردید کی گنجائش

۱۔ سورہ نحل آیت ۹۹

۲۔ کشف الارتیاب ص ۳۰۷ آیئن ۱۵۲

نہیں ہے، (جیسا کہ ہم نے کتاب ذریعۃ النجاۃ میں تفصیلاً ذکر کیا ہے) ہم پہلے احادیث اسلامی کو یکے بعد دیگرے آپ کی خدمت میں پیش کریں گے اس کے بعد سیرت مسلمین پر بحث کریں گے۔ ان تین وسیلوں سے بدعت وحرمت کا مسئلہ واضح ہوگا اور خود بخود منتفی ہو جائے گا و من اللہ التوفیق۔

اور رہا یہ مسئلہ کہ اولیاءؑ وانبیاءؑ الٰہی کو وسیلہ قرار دینا عبادت اور ان کی پرستش ہے یا نہیں؟ معنیٰ اور مفہوم عبادت کی بحث اسلامی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ عبادت کا اصل مطلب کیا ہے؟ اور یہ بحث اس سلسلے کی نہایت اہم بحث ہے۔ امید ہے چند احادیث سے روشن وواضح ہو جائیں گی۔ حدیث، تاریخ وسیرہ مسلمین کی کتابوں میں کافی حدیثیں موجود ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں اور آیات قرآنی بھی دلالت کرتی ہیں۔ اولیاءؑ الٰہی کی ذات گرامی یا ان کے مقام ومنصب کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں چند معتبر ومستند احادیث اسلامی پیش خدمت ہیں اور جوانوں کے اصرار کے مطابق چند روایات عرض خدمت ہیں:

حدیث عثمان بن حنیف: اِنَّ رَجُلاً ضَرِیراً اَتیٰ اِلَی النَّبِیِّ فَقَالَ: اُدْعُ اللّٰہَ اَنْ یُعَافِیَنِیْ فَقَالَ: اِنْ شِئْتَ دَعَوْتَ وَاِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَھُوَ خَیْرٌ قَالَ: فَادْعُہُ فَاَمَرَہُ اَنْ یَتَوَضَّاءَ فَیُحْسِنَ وَضُوْءَہُ وَیُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ وَیَدْعُ بِھٰذَا الدُّعَاءَ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّی اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلیٰ رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتَقْضِیَ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ. قَالَ اِبْنُ حُنَیْفٍ: فَوَاللّٰہِ مَا تَفَرَّقْنَا وَطَالَ بِنَا الْحَدِیْثُ حَتیٰ دَخَلَ عَلَیْنَا کَأَنْ لَمْ یَکُنْ بِہٖ ضُرٌّ

''ایک نابینا حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ میرے حق میں دعا کریں کہ خدا مجھے شفا دے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر دعا کے خواہشمند ہو تو دعا کرتا ہوں، اور اگر صبر کرنا چاہتے ہو تو صبر کرو البتہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ نابینا نے کہا: آپ میرے

لئے دعا فرمائے، جناب رسالتمآبؐ نے اسے حکم دیا کہ وضو کرو اور وضو کرتے وقت توجہ سے کام لو پھر دو رکعت نماز بجالانے کے بعد یہ دعا پڑھو: بارالہا! میں تیرے پیغمبر محمد مصطفیؐ کو وسیلہ قرار دیتے ہوئے تجھ سے درخواست کرتا ہوں، یا رسول اللہ میں آپ کو وسیلہ قرار دیتے ہوئے اپنے پروردگار سے اپنی حاجت طلب کرتا ہوں تا کہ وہ میری حاجت کو برلائے خدایا میری حق میں ان کی شفاعت کو قبول فرما..........

حدیث کی سند کے صحیح ہونے میں شک نہیں ہے حتیٰ وہابیوں کا پیشوا ابن تیمیہ بھی اس کی سند کو صحیح جانتا ہے اور کہتا ہے کہ: سند حدیث میں ابو جعفر سے مراد وہی ابو جعفر خطمی ہے اور وہ موثق ہے، معاصر وہابی مصنف رفاعی جو توسل سے متعلق احادیث کو غیر معتبر قرار دینے کے لئے کوشاں ہے، اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں: لَا شَکَّ اِنَّ ھٰـــذَا الْـحَدِیْثُ صَحِیْحٌ وَمَشْھُوْرٌ وَقَدْ ثَبَتَ فِیْہِ بَلا شَکٍّ ۔ "بلاشبہ یہ حدیث صحیح بھی ہے اور مشہور بھی۔ رفاعی کتاب توصل میں کہتا ہے: اس حدیث کو نسائی، بیہقی، ترمذی اور حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے، لیکن ترمذی وحاکم نے "اشفعہ فی" کی بجائے یوں نقل کیا ہے: "اَللّٰھُمَّ شَفِعْنِیْ فِیْہِ التَّوَصُّلَ اِلیٰ التَّوَسُّل "(۱) ذینی دحلانی خلاصۃ الکلام میں لکھتے ہیں: اس حدیث کو بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن ماجہ وحاکم نے مستدرک میں صحیح اسناد کے ساتھ اور جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب جامع میں
نقل کیا ہے آقائے سبحانی نے اس حدیث کو مندرجہ ذیل مصادر سے نقل کیا ہے سنن ابن ماجہ جلد اص ۴۴۱ دار احیاء الکتب العربیۃ عیسی البانی الحلبی وشرکاء پبلکیشر۔ تحقیق محمد فواد عبدالباقی حدیث نمبر ۳۸۵" ا ھذا حدیث صحیح " پھر اضافہ کیا ہے اس حدیث کو ترمذی نے

۱۔ التوصل الی حقیقۃ التوسل ص ۱۵۸

اپنی کتاب ابواب الادعیہ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے "حدیث حقٌ صحیحٌ غریبٌ "(۱) اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے نابینا کو جو دعا کی تعلیم دی ہے اسے کیا حکم دیا ہے اور اسے دعا کے مستجاب ہونے کے سلسلے میں کیا رہنمائی فرمائی ہے ۔رحمۃ اللعالمین پیغمبرؐ کو اپنا وسیلہ قرار دو اور خدا سے دعا کرو وہ مشکل کشائی اور حاجت روائی کرے گا (۲) اس کتاب میں ابن ماجہ کے سوا صحاح ستہ کی تمام حدیثیں جمع ہیں لہٰذا حدیث کی سند میں کسی قسم کی بحث و گفتگو کی گنجائش نہیں ہے ۔ حدیث عطیہ عوفی "ابو سعید خدری" سے نقل کرتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا جو شخص گھر سے نماز کے لئے نکلے اور اس وقت درج ذیل دعا پڑھے تو اس کے لئے رحمت خدا کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہزار فرشتے اسکے حق میں طلب مغفرت کرتے ہیں۔اقبل اللہ بوجھہ واستغفر لہ الف ملک "صحیح" حافظ محمد بن ابی عبداللہ بن ماجہ قزوینی جو کہ صحاح ستہ میں سے ایک ہے ،کہ جلد ا باب مساجد ص ۲۶۱، ۲۶۲ مطبوعہ مصر ملاحظہ فرمائے نیز مسند ابن احمد بن حنبل جلد ۳ حدیث ۲۱ ملاحظہ ہو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ وَاَسْئَلُکَ بِحَقِّ ھمشای ھذا فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَراً وَلَا بَطَراً وَلَا رِیَاءً وَلَا سُمْعَةً وَخَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِکَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِکَ فَاَسْئَلُکَ اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ ذُنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ. پروردگارا تجھ سے التجا کرتا ہوں بحق سائلین اور ان قدموں کی حرمت کے طفیل جو تیری راہ میں اٹھاتا ہوں میں عیش وعشرت یا ریا وخودنمای کے لئے گھر

۱۔مسند احمد ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۳۸ ماخوذ از مسند عثمان بن حنیف مطبوعہ مکتب الاسلامی مؤسسہ دار الصادر بیروت مستدرک حاکم جلد ا ص ۳۱۳ آفسٹ مطبوعہ حیدر آباد)

۲۔التاج جلد ا ص ۲۷۶

سے نہیں نکلا ہوں میں ترے غضب سے بچنے کے اور تیری خوشنودی و رضا حاصل کرنے کی خاطر گھر سے نکلا ہوں میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھ اور میرے گناہوں کو بخش دے کیونکہ گناہوں کو تیری ذات کے علاوہ کوئی نہیں بخش سکتا۔

مذکورہ حدیث نہایت روشن و واضح حدیثوں میں سے ہے جو شاہد ہے کہ انسان خدا سے حاجت طلب کرتے وقت صالحین متقین کی قدر و منزلت اور ان کی مقام و رتبہ وفضیلت کو اپنا وسیلہ قرار دے سکتا ہے اور حدیث کی دلالت ہمارے مقصود پر واضح ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب خدا کی نافرمانی ''یعنی ترک اولیٰ'' کی تو خدا نے اس کے آثار کو برطرف کرنے کے لئے انہیں کچھ کلمات بتائے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کلمات کا واسطہ دیا اور ان کی توبہ قبول ہوگئی قرآن کریم میں وَلَاتَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ(۱) کے ضمن میں بیان ہونے والا حکم ایک قسم کی نصیحت و پند و راہنمای ہوتی ہے اور اس قسم کی مخالفت سے انسان مستحق عقاب و مؤاخذہ قرار نہیں پاتا: مثال کے طور پر ڈاکٹر اگر مریض کو حکم دیتا ہے کہ نزلہ و زکام کی حالت میں اچار اور خربوزہ نہ کھاؤ ورنہ بیماری میں شدت پیدا ہو جائے گی۔ اس کی مخالفت کا صرف اتنا اثر ہوتا ہے کہ بیماری بڑھ جائے گی کسی قسم کی سزا نہیں دی جائیگی۔ قرآن کریم کی بعض آیات بالصراحت گواہی دیتی ہیں کہ نہی الٰہی، نہی ارشادی تھی اور اسکی مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جناب آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکلنا پڑا کیونکہ اس مخالفت کا وضعی اثر تھا سزا نہ تھی

خداوند عالم ہم سب کو حقیقی معنوں میں محمد وآل محمد سے متمسک رہنے اور انہیں اپنا وسیلہ قرار دیتے ہوئے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور دین اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

غلام محمد فخر الدین

۱۔ سورہ بقرہ آیت ۳۵

دوسری فصل

اسلام اور آج کا نظام

مقدمہ

اللہ تعالی نے انسان کو آزمائش کے لئے خلق فرمایا اور دنیا کو گزرگاہ قرار دیا تا کہ انسان کی اخروی جگہ 'آخرت' میں اس کو سزا یا جزا دی جائے۔ اسی لئے مجرم اور نیک اشخاص کو آزاد چھوڑ دیا ورنہ اگر مجرم کو گناہ کے ترک کرنے پر مجبور کیا جاتا تو انسان مجبور ہو جاتا تو اس صورت میں ثواب وعذاب کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اس وقت انسان انسان نہ ہوتا بلکہ اس پتھر کی طرح ہوتا جو اپنے طبعی وزن کے ساتھ ہوتا ہے اور کسی جبر کے مقابلے کی صورت میں صلاحیت نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو طرح سے ہدایت فرمائی ہے: ا۔ ہدایت باطنی ووجدانی جو انسان کو ہمیشہ ڈراتی ہے کہ تم گمراہی کے راستے پر ہو غرضیکہ زندگی کے ہر قدم پر اسکی ہدایت کرتی ہے پس باطنی ہدایت آنکھ کی طرح ہے کہ جو جس چیز کو دیکھتی ہے دل کو گزارش کرتی ہے چاہے انسان اس مشاہدہ پر عمل کرے یا نہ کرے مثلاً اگر آنکھ شیر کو دیکھے تو انسان سے کہتی ہے کہ یہ شیر ہے اس سے دوری اختیار کر واب چاہے وہ انسان دوری اختیار کرے یا نہ کرے۔ اگر باطن کسی ظلم کو دیکھتا ہے کہ یہ ظلم ہے اب چاہے وہ اس کو انجام دے یا نہ دے یہ ہے پہلی ہدایت

۲۔ دوسری ہدایت کہ جو خدا نے پیغمبروںؑ کے ذریعہ انسان کو عطا کی، چونکہ انبیاءؑ وحی الہی کے ذریعہ جانتے تھے کہ کس طرح انسانی زندگی گزاری جائے؟ اگر کوئی انسان اس راہ کو 'جو پیغمبروںؑ نے بتائی ہے' انتخاب کرے تو وہ دنیا میں سعادتمند اور جہل کی آلودگی، بیماری، فقر، سزا، ذلت ورسوائی سے محفوظ رہے گا۔ اور آخرت میں اسلامی نظام کے علاوہ کوئی اور نظام انسان کو سعادت اور خوشبختی کا پروانہ نہیں دے سکتا۔

یہ کتاب (اسلام اور جدید نظام) ایک چھوٹی سی کوشش ہے کہ جس میں اسلامی

نظام اور دیگر تمام نظاموں کو پیش کیا گیا ہے اگر چہ تمام غیر اسلامی نظام ایک ہی نکتے یعنی سیسٹم سرمایہ داری پر ملتے ہیں۔ البتہ فرق ہے سیسٹم سرمایہ داری فردی و سیسٹم سرمایہ داری حکومتی سیسٹم سرمایہ داری (کمیونسٹی) میں۔ اور ان کے ہم پلہ نظام بادشاہت میں یہ تمام چیزیں آشکار ہیں اور وہ چیز جو سامراجی اور امپریالسی کے طرض نظام کی طغیانیت کی وجہ سے جو تمام مراحل میں معرض وجود میں آتا ہے۔

خداوند متعال سے دعا ہے کہ وہ انسان کو اسلامی نظام اور مسلمین کی پیروی کرنے کی ہدایت دے جو ہر طرح سے انسانی معاشرت کے لئے دونوں جہانوں دنیا و آخرت میں خیر و سعادت اور کامیابی ہے وهو المستعان .

التماس دعا

کارزار دو عناصر

عرصہ کائنات میں یہودی ونصرانی دو دین ظاہر ہوئے ہیں جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام لائے تھے۔ ان کو خداوند متعال کی طرف سے انسان کی اصلاح وہدایت، جہاں میں صلح وامن کے قیام اور دنیا وآخرت میں لوگوں کو سعادتمندی کی بلندیوں تک پہنچانے کے لئے بھیجا تھا۔

(مگر) افسوس کہ ان دو عظیم پیامبروں کے معاصرین گمراہ ترین وخود پسند ترین انسان تھے۔ مثلاً فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یہودی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ہم زمان تھے۔ جہالت وخود پسندی کی دلدلوں میں پاؤں سے لے کر سر تک پھنسے ہوئے تھے۔ لہذا پیغمبروں کو ڈھیل نہیں دی تا کہ وہ حقیقت کو روشن اور دین خدا کو آشکار اور انسان کی سعادت ابدی کے لئے پروگرام بناتے رہیں۔

اس کے بعد ان دو ادیان کے پیروکاروں تک نوبت پہنچی، جو معاصرین کی تاریخی شہادت کی روسے کوئی نچلی سطح کے منکر نہ تھے۔ انھوں نے تو روز اول سے ہی ان دینوں میں تحریف کا ارتکاب کیا اور اس کے بعد خود غرضی اور خود طمعی کے ساتھ بغیر پہیے کے زندگی کی گاڑی کو ڈھکیلتے رہے۔ مثلاً یہودیوں کی نافرمانی، ادارۂ تحقیق عقاید مسیحی (tnquisition) وغیرہ کا ضرر (نقصان) بشریت کے لئے فرعون اور معاصرین حضرت مسیح علیہ السلام سے کچھ کم نہیں تھا۔ اگر نہ بھی کہیں تو بھی زیادہ تھا۔

دین اور دنیا

مذکورہ دو ادیان کے پیروکاروں کی یہ بھی ایک کج رفتاری وناہنجاری تھی کہ دین کو دنیا سے جدا کر دیا اور صرف آخرت اور وجدان کے ساتھ اس کو وابستہ قرار دے دیا۔ لہذا انھوں نے کہا (چھوڑ دو، جو قیصر کا ہے وہ اس کو مبارک اور جو خدا کے لئے ہے وہ اس کے لئے مناسب)

اس دوران بدلے ہوئے دین نے مظالم، گمراہیوں، کمر توڑ ٹیکسوں، تخت پوپ کے برابر آدابوں کے ذریعے لوگوں کے قدم ڈگمگادئے اور (ان کے) افسانوی چہروں اور باؤلا پن کی حالت میں اپنے پنجہ گرفت میں پھانسا ڈالا۔

لہذا دانشور و مفکرین ہمیشہ اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ اپنے آپ کو اس آفت سے نجات دلائیں۔ مصنف کتاب (عذر تقصیر بہ پیشگاہ محمد وقرآن) فرماتے ہیں کہ: ''امریکی لوگوں نے مظالم کلیسا سے رہائی پانے کے لئے بارہ ہزار قربانیاں پیش کیں۔'' خلاصہ یہ کہ عدالت، امن، استقرار اور بھلائی جیسے امور جو ہر انسان ان کی تلاش میں رہتا ہے ان دوادیان کی روشنی میں شاذ و نادر نظر آئے تھے۔

﴿نوید اسلام﴾

یہاں تک کہ اسلام کا سورج نکلا، جس کا شعار یہ تھا کہ خدا تعالی نے انسان کو اعزاء و اقارب کیلئے انصاف، حسن سلوک اور ان کی پرسان حالی کا حکم دیا ہے اور برائی، بے حیائی اور پلیدی سے روکا ہے۔ اس طرح لوگ اسلام کے ارگرد گرد جمع ہو گئے۔ اسلام نے استحصالی قوتوں کی زنجیروں کو توڑ دیا اور دوسری طرف سے اسلام نے انسان کی حالت، خاندانی فضاء اور لوگوں کے اجتماعی روابط کو جس انداز سے منظم واستوار کیا کہ اس کی مثال نہ اسلام سے پہلے اور نہ اس کے بعد ملتی ہے۔

اسلام نے نبیؐ اور امامؑ میں عصمت کو مشروط قرار دیا، اور رہبر، حاکم اور قاضی میں عدالت و پاکیزگی کا اعتبار کیا ہے۔ اور خود قانون اور اس کی توانائی جو کہ زندگی کے شعبوں کے نظم ونسق پر (مرتب ہوتی ہے وہ رہبر، حاکم اور قاضی کی) عدالت سے زائد اور الگ ہے۔

اسلام کی دور اندیشی اور گہری نظریہ تھی کہ نظام کو ایک اندرونی نگہبانی، جو تکوینی

توانائی سے انسان کے اندر موجود ہے، اسے وابستہ کردیا۔ اس طرح جب کوئی مثقال بھر اچھا یا برا عمل کرتا ہے تو (وہ باطنی نگہبان) اس کی جزا و سزا کو دیکھتا ہے۔

(چنانچہ) اگر مسلمانوں کے حقیقی پیشوا حضرت علیؑ کو ساتوں آسمان اس لئے دئے جائیں کہ وہ چیونٹی کے دہن سے ''جو'' کا چھلکا چھینیں تو وہ ہرگز ایسا نہیں کرینگے۔ اور اسلام عظمت مادی و شوکت سلطانی کو ناپسند کرتا ہے کیونکہ اس طرح کا ٹھاٹ باٹ، رعب و دبدبہ اس کو لوگوں کی دادرسی کی راہ سے روکتا ہے۔ چنانچہ پیغمبرؐ، امامؑ اور دیندار حاکموں ان کے پیروکاروں کی زبان حال یہ تھی کہ ''میں بے سروسامان ہوں اور بے سروسامان ہم نشینوں کے ساتھ بیٹھتا ہوں''

اسلام اس پر حکمت طرز عمل کے ذریعہ نظام اور قوۃ نفاذ میں یہ کرسکتا تھا کہ انسان کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدلے۔ حتی کہ اس بلندی تک پہنچائے جس کو ہم خود بھی حق ہی سمجھیں کیونکہ اسلام کی رو سے جو انسان ہے اور دوسرے مکاتب کی رو سے انسان، کے درمیان وہی نسبت ہے جو انسان اور بندر میں ہے اور شاید یہ بھی نسبت نہ ہو کیونکہ بندر بھی کچھ موارد میں انسان سے شباہت رکھتا ہے۔

لہذا ''پلد یواراث'' اسلام کے بارے میں کہتا ہے: ''اسلام مردوں کو انسانوں، عوام کو لائق ہم وطنوں، خالی سینوں کو آرزومندوں بہادروں اور مطمئن و معتمد عقلوں کو بدلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اسلام نے وہی کچھ چھوڑا ہے جو انسان کی دانائی اور بلندی کی ترقی کے لئے ہوسکتا تھا''

اس سے پہلے قرآن کریم نے فرمایا ہے: (یہ پیغمبر تمہیں اس چیز کی طرف بلاتا ہے جو تمہاری نگاہ کو زندہ رکھے) دوسری آیت میں فرماتا ہے: (وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ گمراہ تر ہیں بس انسان بغیر اسلام کے حیوان سے زیادہ بدتر تھا اور مردہ و بے روح تھا۔

استعمار کی فریب کاری

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے تمام شعبوں میں عمل کرنا ترک کر دیا تھا جس زمانے میں خواب وغفلت اور خود غرضی نے تمام اسلامی سرحدوں کو گھیر لیا تھا، تو لوگ اپنے پیشرو کاروان سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اگر چہ ان کی حکومت اب تک استوار وقائم ہے جس کے زیر سایہ برائے نام عزت، آن بان اور استحکام رکھتے ہیں۔ مگر جس دن سے کلی طور پر اسلام کی پیروی کی چادر اتار پھینکی اور قوانین آسمانی والٰہی کو مغربی وانسانی قوانین میں بدل ڈالا تو ایک ایسے کٹھن مرحلے میں داخل ہو گئے جبکہ امت ان کی طرح اس میں گرفتار نہ ہوئی اور نتیجۃً ان کی حکومت، استقلال، سلطنت اور سعادت سب مٹ گئی اور (دوسری اقوام) میں جا ملے اور بکھرے پرزے کے مانند ہو کر رہ گئے تا آنکہ ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرنے لگا ہے۔ اور دوسری طرف سے کافر حکومتیں اپنے استعمار کے ذریعہ ان کی ہلاکت کی گھات میں ہیں۔ اور احتکاری سوسائٹیاں بھی ان سے مفاد حاصل کر رہی ہیں۔ اور بیچارے کوئی یار و مددگار نہیں پاتے نہ آسمان میں اور نہ روئے زمیں پر۔ بالآخر کچھ فرانس کا نصیب، کچھ برطانیہ، بعض سویت یونین کے اجزا اور چند امریکا کے اور کوئی حصہ کافر، غیر مسلم حکومتوں کے ہاتھ آیا جیسے ہند، ایتھوپیا، کچھ حصہ یہود اور کچھ امپیریلزم کے تحت دار پر چڑھ گئے اور آگے اسی طرح بٹتے رہے۔

کچھ لوگ تو حقائق تک پہونچ نہیں پاتے، گمان کرتے ہیں کہ ان دشمنوں کی گستاخی میں خسارہ ونقصان ہے۔ (ہاں) مگر دو پہلوؤں سے مسلمانوں کو (ہی) فائدہ پہنچے گا:

۱۔ تمدّن، تہذیب وصنعت کا پہلو۔

۲۔ صلح، استقرار وامن کا پہلو۔

لیکن ان لوگوں کو آگاہ کرنا چاہیے کہ پہلا پہلو یہ ہے کہ اگر مسلمان اسلام کی پیروی کرتے تو تمام جہتوں سے قوی ترین، بہترین متمدن حکومتوں کے مالک ہوتے۔ اور آیا اس حال میں جو مثلاً جب ریتیلی اور غیر آباد زمین دس دینار سے دس ملین تک پہنچ چکی ہو اور آباد زمین ایک ہزار سے دس ہزار دینار تک پہنچ چکی ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ آباد زمین مہنگی ہو چکی ہے؟

شرق وغرب سخت زبوں حالی کا شکار ہو گئے تھے اور یہ ان کی پیش قدمی دوسری دفعہ کا ثمرہ ہے اور مسلمان ان خوابوں میں ہی رہ گئے کہ ان کی شاہراہیں ڈامر کے ساتھ پختہ اور ان کے بعض مصالح استوار ہو چکے ہیں۔ افسوس کہ یوں بے آبرو اور ایک افتادہ قوم بنے رہ گئے۔

مگر دوسرا پہلو ایک انگریز مفکر نے اپنے عزائم ہمارے متعلق رکھنے کے بارے میں (ظاہر کیا ہے) اور (بڑی بات تو یہ ہے کہ) انگریزوں کے زیر تسلط رہنے سے ہمیں کیا ملا ہے غور سے سنیے، یہ شخص (ویلز ید سکاون بلنت ہے) کہتا ہے: ''سوائے ظلم وستم، سیاست اذیت وآزار کے ہم سے کوئی اور امید نہ رکھیں، ہم تمہارے مالوں کو چھینیں گے اور تمہارے اخلاق کو فاسد کریں گے، ہم تمہیں ایک ایسے جہنم میں جو ہند کی طرح ہوگا (کیونکہ وہ بھی ہماری پیروی میں ہوا ہے) میں ڈلوائیں گے، ہم تمہارے لئے اچھائی نہیں چاہتے اور ہماری طرف سے تم پر نہ قانون، نہ آزادی خواہشات، نہ آزادی تعلیم اور حتی مانچسٹر کے مالیخولیا کے مریض جولاہوں کے سبب شخصی آزادی بھی تم پر عائد نہ ہوگی، یہودی وانگریز تاجر جتنا تم پر تسلط حاصل کر چکے ہیں اس سے کہیں بڑھ کر ہم (ان کو تم پر) مسلط کریں گے۔''

آقائے ''دژفارا'' کہتا ہے: ''انگلستان دور سینوٹو کے سات صدیوں کے بعد وہ فارمولا جو ''سینوٹو'' اپنے دماغ میں تیار کر رہا تھا اور اپنی کتاب میں بھی تحریر کیا تھا، حاصل ہو سکے گا، وہ فارمولا مسلمانوں کے قتل اور ان کی حکومت کو جڑ سے کھودنے پر اکساتا ہے'' شاید آپ یہ سمجھیں کہ یہ فقط مغرب کے خواب مسلمانوں کے بارے میں تو پھر ایک نظر (ڈفرنو) مشرقی

کی بات پر کریں، جو کسی سے بات کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: "اگر روسی شہنشاہیت نے ان مسلم ریاستوں کو جو ان کے نو آبادیاتی نظام میں شامل ہیں، گنوا دیا تو اس کے لئے کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ تیل، کپاس، اور تمام معدنی مصنوعات ان اسلامی سرزمینوں سے پیدا ہوتی ہیں۔"

لہذا آج اگر ان اسلامی ملکوں کو دیکھئے جو اب تک اسلامی ملک رہتے ہوئے چلے آئے ہیں تو کوئی بھی زراعت، صنعت، تجارت، ترقی و خوشحالی کہ جس سے ایک اسلامی ملک مالا مال ہو جائے استعمار کو نہیں بھاتی کافروں نے مسلمانوں کو افتادہ اور درماندہ رکھنے کی پیش بندی کی تھی جس کے بہت سے عوامل تھے، جن میں سے کچھ کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ قوانین کفر کو مسلمان ملکوں میں رائج کرنا تاکہ ان کا اپنے مکتبۂ فکر سے رابطہ ٹوٹ جائے۔

۲۔ گناہوں اور ناشائستہ کاموں کو عام کرنا تاکہ اسلامی ملکوں کے مسلمان ان برائیوں کے ذریعہ اسلام کے تصور کو ہی بھول جائیں۔

جب اس قدر معنائے اسلام مسلمانوں کے نزدیک قابل احترام بنے تو مرحوم محقق کرکی فرماتا ہے: "فلان ملک اسلامی .... کہ جس کے احترام کے سبب نہیں چاہتا کہ اس کا نام لوں، مناسب نہیں ہے کہ اس کو اسلامی کہا جائے کیونکہ سنا ہے کہ اس کے تاجر بازاروں میں دھوکہ کرتے ہیں۔"

۳۔ اسلام کو بدنام کر کے مسلمانوں کے ذہن میں بٹھانا۔ لہذا دیکھا جاتا ہے کہ انھوں نے اسلام کو ایک ایسے دین کا عنوان دیا کہ جس کا زمانہ گذر چکا ہو، مدت بیت چکی ہو اور خصوصاً نوجوانوں کو تو اسلام سے اس طرح دور بھگاتے ہیں جیسے لومڑی شیر سے بھاگتی ہے ان کو تو اس حد تک قابو کر لیا ہے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ اسلام نظام و قانون رکھتا ہے تو تمسخرانہ انداز سے گھورنے لگتے ہیں۔

ایک اسلامی ملک کے وزیر عدل وانصاف نے مجھ سے کہا کہ اسلام میں کوئی قانون نہیں ہے اور جب میں نے اس سے کہا کہ پھر کیونکر چوڑے چپڑے ملکوں پر (اسلام) حکومت کرتا ہے؟ تو ''وزیر'' گھبرا گیا اور بات کو گھما کر کہا کہ: میرا مقصد یہ تھا کہ اساسی و بنیادی قانون نہیں رکھتا تو اس پر بھی میں نے جب اسے کہا کہ کیا یہ سیاست نہیں رکھتا یعنی ادارۂ نظام ملک، جنگ، صلح اور روابط ممالک؟ جبکہ اسلام نے تو ان تمام امور کیلئے قانون سازی کی ہے۔ خاموش ہو گیا جواب نہ دے سکا۔

﴿تمدن یا تنزل﴾

دیکھیں کہ نیا (ماڈرن) تمدن کہ جس نے اسلامی تمدن کو ایک طرف کر دیا ہے کیا وہ اسلامی تمدن کے بغیر بشریت کو مقام ترقی تک لے جا سکتا ہے یا وہ اجاڑنے والا ہی نہیں بلکہ تعمیر زندگی پر بھی قادر نہیں؟

کہا جا سکتا ہے کہ نیا تمدن اپنے اندر دو پہلو سموئے ہوئے ہے۔

ا۔ صنعتی پہلو

۲ انسانی پہلو

اور تازہ تمدن (اگر) موضوعات علم، ایجاد اور صنعت میں وہ بلند قدم اٹھاتا کہ نوع بشر کے لئے ماضی میں کوئی مثال نہ ہوتی (ہمارے علم کی رسائی تک) تو ایک بات تھی لیکن اس کے برعکس اس نے انسان کو اس درجہ پستی میں ڈھکیل دیا کہ اس سے بدتر کوئی چیز وجود نہیں رکھتی۔ کافی ہے جو یہ جانیں کہ پہلی اور دوسری عالمگیر لڑائی تنہا بیس (۲۰) صدیوں کی قربانیوں سے زیادہ قربانیاں ہضم کر چکی ہے چنانچہ اہل تاریخ اور علم اعداد وشمار بیان کرتے ہیں۔

اور وہ تمدن جو سعادت کے ساتھ نہ ہو کیا فائدہ دے سکتا ہے! اگر کوئی شخص آپ کو ایک ایسا محل عطا کرے جو تمام ماڈرن وسائل و آرائشوں کا مرقع ہو اور آپکو ڈرائے کہ کل موت کے

گھاٹ اتار دئے جاؤ گے کیا تم اسکی مدح کرو گے یا مذمت؟ آیا تمہاری نظر میں جھونپڑی اطمینان قلب کے ساتھ بہتر نہیں ہے اس محل وقصر سے کہ جس میں خوف واضطراب دامن گیر ہو۔ ماڈرن اور تازہ تمدن کی مثال ٹھیک اسی مثال کی طرح ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ بات ہر اس شخص کیلئے کہ جو تھوڑا سا بھی فکر اور شعور رکھتا ہو قابل احساس ہے، جس کی تائید دانشوروں کی آراء بھی کرتی ہیں مثلاً (رابرٹ ہشنس) کہتا ہے: "علم (مادی) ایک ہی لمحے میں دریافت وآگاہی، ٹیکنالوجی اور تسلط، طبیعت کے بلند ترین نقطے تک پہنچ چکا ہے مگر اخلاقی وسیاسی زندگی میں اس کی راہ دو پہاڑوں کے درمیان جا کر مسدود ہو چکی ہے۔"

(جارج واشنگٹن) کہتا ہے: دین واخلاق بہترین ولازم ترین حالات وعادات میں سے ہیں جو توسیع سیاست سے انجام پائینگے۔ جو شخص قومی رغبت کا مدعی ہوا اگر بشری سعادت کے ستونوں میں سے ان دو ستونوں کو نابود کرنے کی کوشش کرے تو وہ بیہودہ کام سرانجام دے گا۔

لہذا دیکھتے ہیں کہ مشرق ومغرب جب سے دین واخلاق سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں (اگر چہ مغرب ابھی مدعی ہے کہ متدین وبااخلاق ہے) بشریت کے لئے ناپاک ترین جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں، وہ اپنی ایجنٹ حکومتوں کی نسبت ہی نہیں بلکہ باہم بھی۔ لیکن نقصان وضرران کی ایجنٹ حکومتوں کا زیادہ اور شدید ہوا ہے۔

اس بنا پر مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر انسانی اور آرامدہ زندگی چاہتے ہیں تو اسلامی تہذیب وتمدن کی طرف پھر سے پلٹ کر آئیں۔ اگر اسلام کی طرف لوٹیں گے تو اس کی نورانی مشعلوں کو مشرق ومغرب پر لہرا سکیں گے جس طرح ان کے آباواجداد نے لہرایا تھا ورنہ دوسری صورت میں بشریت کو فاتحہ پڑھی جائے

اسلام روئے زمین کے اور نظاموں کی طرح نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے:

۱۔ عقیدہ

۲۔ شریعت

۳۔ حکومت

۱۔ عقیدہ

عقائد اسلامی پانچ ہیں، یعنی توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت لہذا ان عقائد کو قبول کرنا چاہیے تاکہ منزل سعادت سے ہم کنار ہوں یہ سعادت صرف اخروی ہی نہیں بلکہ سعادت دنیوی کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے کیونکہ نظام اسلامی کا اجراء وانصرام انسان کو اس کی زندگی میں سعادتمند بنا دیتا ہے یہ اسی عقیدہ کیا سرچشمہ ہے۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ جس آدمی نے اس مسلک سیاسی واجتماعی (آئیڈیولاجی) کو قبول نہ کیا ہو تو وہ بار اعتقاد کو اٹھانے سے محفوظ ہے مگر یہ گمان اشتباہ ہے۔ جب ذہن طبعاً کسی چیز کو مقدس، مثال اور نمونہ قرار دینا چاہتا ہے۔ اور دیکھتے ہیں کہ اس لئے کچھ لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور حتی بے دین کمیونسٹ درحقیقت اسٹالین، مارکس ولینن کو پوجتے تھے اب اس میں فرق یہ ہے کہ ایک آئیڈیولاجی میں امکان ہے کہ دلائل و براہین کے ساتھ ثابت ہو یا وہ بکواس و بے مغز ہو اور اس کو تقلیدوں، وہموں اور کینوں نے جنم دیا ہو۔ مثال کے طور پر کسی نے ''نہرو'' ہندستان کے معروف لیڈر سے پوچھا کہ آپ روشن فکر انسان ہیں پھر کیونکر ''گائے'' کی پرستش کرتے ہیں؟ کہا تقلید کرتا ہوں۔ اور کسی شخص نے روشن فکر ''ژاپنی'' سے پوچھا تم بادشاہ کو کیوں خدا سمجھتے ہو؟ کہا یہ میرا گمان ہے۔ اور ایک آدمی نے ایک کمیونسٹ جو ''مارکس'' کو مقدس سمجھتا تھا، اس سے کہا کہ تم میں اور مارکس میں کیا مناسبت ہے جبکہ تو عیسائی ہے اور وہ یہودی؟ کہا اس کینے کے سبب سے جو سرمائیداروں اور استعمار کے آقاؤں سے مجھے میرے دل میں ہے۔

اسی بنا پر اگر کوئی دلیل و برہان کی رسی کو نہ تھامے تو پھر اس کو تقلید، وہم یا اس کا کینہ جس چیز کی اسے تلقین کرے گا اس پر وہ ایمان لائے گا۔ قرآن کریم ان کی زبان سے فرماتا ہے کہ: ''ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو (اسی) مسلک پر دیکھا اور ہم ان کے آثار کی پیروی

کرتے ہیں۔"" یہ اس کے سوانہیں جس کا ہم گمان کرتے ہیں" ایک اور آیت میں فرماتا ہے: "ان لوگوں کو، جو غیر خدا کی طرف بلاتے ہیں، ناسزا مت کہو، کیونکہ وہ بھی از روئے دشمنی و نادانی خدا کو ناسزا کہتے ہیں۔" یہ آیات تقلید، گمان اور کینے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

مگر عقیدہ صحیح کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے: "جان لو کہ کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے" دوسری آیت میں مخالفین اسلام کو خطاب کر کے فرماتا ہے: "اپنی دلیل لے آؤ" اور تیسری آیت میں کفار کی آئیڈیولاجی کے بارے میں فرماتا ہے: "جہالت کی وجہ سے ہیں نہ ہدایت اور نہ ہی کوئی کتاب روشن ان کے پاس موجود ہے۔"

۲۔ ﴿شریعت﴾

شریعت عبارت ہے ان مقررات (قواعد واصول) سے جن پر عمل کرنا ممکن ہے حتی کہ اگر حکومت بھی لازمی نہ ہو خواہ مقررات عبادتی ہوں جیسے نماز و روزہ یا مقررات تحریمی جیسے حرمت مشروبات الکحلی (الکحل سے بنے ہوئے مشروبات) زنا یا مقررات اخلاقی جیسے اچھائی، سچائی امانت داری اور بدی، خیانت، رشوت یا مقررات اجتماعی جیسے مسائل خرید و فروخت، طرز زندگی اپنوں اور دوستوں پڑوسیوں کے ساتھ اور جوان کی طرح ہیں۔ اور یہ دو عقیدے (عقیدہ و شریعت) ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں خواہ اسلام اور اس کے آئین پر عمل کرنے والی حکومت، موجود ہو یا نہ ہو۔ اور مسلمانوں کی آج تک بقا کا سبب، باوجود اس کے کہ مسلمانوں پر سخت اندھیاں چلی ہیں، یہی ہے کیونکہ ان اندھیوں کا ہدف تخت و تاج، حکومت و ثروت تھا لہذا عقیدہ و شریعت آفت سے امان میں باقی رہتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔

ہاں بعض خطرناک مواقع کہ جن کا ہدف عقیدہ و شریعت تھا پیش اۓ ہیں جیسے دوران سقوط اندلس، صلیبی حملے اور اسی صدی میں کمیونسٹوں کے ہجوم و حملے۔ جبکہ اسلام عقیدہ

وشریعت کے لحاظ سے دین فطرت ہے لہذا اجتماعی زندگی میں بدرجہ اتم کارآمد ہے۔ جبکہ منکرین نے حکومت اسلام کو مٹانے کی سازشیں کی ہیں۔

انسان کی فطرت حکم کرتی ہے کہ جہان کا بنانے اور سنوارنے والا دانا وتوانا ہے۔ اور اس کی عدالت کے آثار طبیعت پر آشکار ہیں۔ اور یہ کہ سنوارنے میں ضرور کوئی ہدف ہے جو اس کو ظاہر کرنے کی خاطر ان لوگوں کو بھیجتا ہے جو عوام کو (وہ ہدف) بتا دیں، اور فرستادۂ خدا کے لئے ضروری ہے کہ اس کے خلفاء ہوں جو اس کے جا ہو جائیں۔ اس طرح خداوند عالم، تابعداروں کو جزا اور عاصیوں کو سزا دے سکے گا۔ کیونکہ اس دنیا میں جزاو سزا کافی نظر نہیں آتی لہذا لازم ہے کہ دوسرے عالم میں تمام ہو جائے۔ (یہ پہلا رخ تھا) اور دوسرا رخ یہ ہے کہ وہ کونسا آدمی ہے جو جھوٹ، ناحق لوگوں کے مال ہضم کرنے اور دوسروں کے مال کی چوری وغیرہ کو ترجیح دے؟ اور کونسا شخص ہے جو خدائے جہان کے سامنے نماز اور روزے کے طریقے سے سر جھکانے کی استعداد و آمادگی نہیں رکھتا؟ ہم انکار نہیں کرتے کہ بہت سے لوگ وظائف کو انجام دینے کے لئے حاضر اور منکرات سے دوری نہیں کرتے (لیکن) ہم جو کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ:

یہ امور کہ جن کا نام شریعت ہے وہ انسان طبعی کیلئے ہے جو باعقل و ذہن ہو جس کی طبیعت شناسا ہو اور اس کے ذہن یا اعضاء پر بوجھ نہ ڈالیں۔ اس بیان کے ساتھ جو کوئی چاہے عمل کرے اور جو چاہے نہ کرے اور اکثر عمل ہوتا ہے ترک عمل نہیں۔ مسلمانوں کا اپنی آئیڈیولاجی وشریعت کی نسبت سے وہی حال ہے جو بیماروں کا ڈاکٹروں کی نسبت ہے۔ اور یہ طبعی امر ہے کہ بیمار اپنی تندرستی کو پسند کرتے ہیں اس لئے طبیب وڈاکٹر کے نسخے پر عمل کرتے ہیں۔ اور یہ ان بیماروں کی تعداد جو نسخے پر عمل کرتے ہیں ان لوگوں کے برابر ہے جو (شریعت پر) عمل کرتے ہیں۔

۳۔ ﴿حکومت﴾

حکومت سے مراد وطاقت ہے جولوگوں پر دوہداف نافذ کر سکے:

ا۔ان کے کاموں کا نظم ونسق: ایک گروہ کا دوسرے گروہ پر تجاوز ان پر غیر ملکیوں کے تجاوز سے روک تھام

۲۔لوگوں کو ان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں آگے لے جانا اور مزید اس پر کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ تشکیل حکومت ضرورت اجتماعیت ہے۔(مگر یہ کہ اجتماعیت بغیر حکومت کے معجزہ کے ساتھ ہی تشکیل پاسکتی ہے اور یہ بھی سوائے آخرت کے امکان نہیں رکھتی) لہذا امام علی علیہ السلام نے خارجیوں کو جھٹلایا تھا جو وہ کہہ رہے تھے کہ: حکومت خدا کے سوا کسی کیلئے نہیں۔ان کا مقصود یہ تھا کہ حکام وفرمانرواؤں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

امام نے اس جملے کے ذریعے ان کو جھٹلایا کہ (چاہیے کہ لوگوں کیلئے کوئی حاکم ہو) مزید یہ کہ خود خوارج بالآخر تضاد بیانی اور ہرزہ سرائی (بکواس) میں پڑ گئے اور بے عقل لوگ ان کی چال چلنے لگ گئے۔مگر ان کی رفتار ان کی گفتار سے کچھ مختلف تھی اور ان کے قدم غیر مضبوط تھے لہذا تمام شعبوں میں انھیں سخت عصبیت اور بے پناہ قربانیوں کی آمادگی کے باوجود ناکامی اور شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

یہاں پر حکام خوارج اور ان کے ہوا خواہوں کی بے راہ رویوں کی دو تاریخی مثالیں ذکر کرتے ہیں:

ا۔ایک حاکم نے خوارج کے حاکم کا سر نیچا کرنے کے لئے پیش بندی کی،اس طریقے سے کہ ایک شخص کو اس حاکم کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ خارجیوں کے سامنے حاکم کو سجدہ کرے۔ جب اس نے یہ کام انجام دیا تو خارجی اٹھے اور اپنے حاکم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔جس شخص نے سجدہ کیا تھا وہ تو بھاگ چلا۔حاکم حیران ہو گیا کہ اس کے طرفدار اس کی جان کے درپے

ہو گئے ہیں ۔ سبب پوچھا ۔ کہا تو جہنمی ہو گیا ہے اور اہل جہنم کو مار دینا چاہیئے حاکم نے پوچھا کیونکر میں اہل جہنم سے ہو گیا ہوں؟ درآنحالیکہ میں نے اس کو سجدہ کرنے کا حکم تو نہیں دیا اور اس کے ارادے سے بھی پہلے واقف نہ تھا اور اب اس کے کئے ہوئے پر راضی نہیں ہوں ۔ انہوں نے کہا کہ: مسئلے میں علم رضامندی اور ناراضگی شرط نہیں ہے، کیونکہ خداوند عالم نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ: ''تم اور تم جس چیز کی سوائے خدا کے عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن بنو گے ۔'' اور تیری عبادت اور پرستش ہو چکی ہے اس بنا پر جہنم کا ایندھن بن چکے ہو الغرض اس وہم گناہ کی وجہ سے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

۲ ۔ ایک شخص نے حاکم خوارکی ہلاکت کے لئے سازش کی اور منصوبہ اس طرح بنایا کہ حاکم کے نزدیک اس کے حاشیہ نشینوں کے سامنے آیا اور پوچھا کہ حضرت امیر المؤمنین علیؑ کو کیوں کافر کہتے ہو؟ حاکم نے کہا: کیوں کہ دین خدا میں فیصلہ (قضاوت) کر چکے ہیں (اس نے کہا:) کس دلیل کے ساتھ وہ آدمی کافر ہے جو دین خدا میں قضاوت کر چکا ہے؟ کہا: اب تمہارے لئے دلیل دیتا ہوں (وہ یہ ہے کہ) جو تیری دلیل ہے اس کو میں رد کرتا ہوں اب اس صورت میں کیسے معلوم ہوگا کہ حق پر تو ہے یا میں ہوں؟ حاکم نے کہا کہ یہ جو میرے درباری بیٹھے ہیں فیصلہ کریں گے ۔ اس وقت اس شخص نے فاتحانہ مصاحبوں کی طرف دیکھا اور کہا کہ: تمہارے حاکم اپنے اقرار سے کافر ہو گئے ہیں کیونکہ انھوں نے پہلے کہا تھا کہ جو آدمی دین خدا میں قضاوت و فیصلہ کرتا ہے وہ کافر ہے اور اب انھوں نے خود دین میں قضاوت و فیصلہ کیا ہے، کیونکہ تمہیں میرے اور تمہارے درمیان قاضی بنایا ہے ۔ پس یہاں پر ان کے یاروں نے حملہ کر کے اس کو موت کی نیند سلا دیا ۔

اس بنا پر اگر کوئی کہتا ہے کہ تشکیل حکومت کی ضرورت نہیں ہے تو اولاً تو جھوٹ بولتا ہے اور ثانیاً پسند کرے یا نہ کرے ضروری ہے کہ کسی حکومت کے جھنڈے تلے جائے ورنہ

اس کی حکومت ناتجربہ کار اور غیر محفوظ ہوگی، جس طرح زمانہ گذشتہ میں خارجی اس بڑے شک وشبہ سے دوچار ہوئے تھے ان اواخر میں بہت سی جماعتیں بھی اسی شک وشبہ میں مبتلا ہوئی ہیں۔

مثلاً نیچہ کہتا ہے: بنیاد حکومت ایک درندہ صفت اور وحشی لوگوں کا گروہ تھا جو تدابیر جنگی رکھنے کی وجہ سے ایک کثیر جماعت جن کی تعداد ان درندوں سے (کئی گنا) زیادہ تھی، اپنے خوفناک پنجوں سے حملہ کر کے ان پر غالب آگئے ہیں کیونکہ ان لوگوں کی کثیر جماعت کے پاس ابتک ایسا نظام نہیں ہے جو ان کی ہیئت وشکل کو ترتیب دے۔

اور اس کے بعد خیانتکار وفتنہ ساز لوگ آئے اور (خام خیالی) میں سونچا کہ یہ مقولہ ٹھیک اور درست ہے کہ لوگوں کی شخصی حکومت خود ان پر سوائے حاکم کے ممکن ہے۔ گویا اجتماعیت عبارت ہے ان پتھروں سے جو آپس میں ملے ہوئے تو ہوں لیکن ایک دوسرے سے احتیاج نہ رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کے حقوق پر ظلم وزیادتی نہ کر سکتے ہوں اور وہ ترقی کہ جو سوائے حکومت وطاقت کے ناممکن ہے، کی ضرورت نہ رکھتے ہوں۔

اس طرح (خصوصاً روس میں) نظام قیصری کے خلاف انقلاب کے دوران میں حکومتی عیب گنوانا شروع کرتے تھے اور لوگوں کے لئے حکومت کی عدم ضرورت جتلا کر کہتے تھے کہ: انسان کی طبیعت عقلمند اور ہدایت یافتہ ہے پھر کیا ضرورت ہے قوانین، حکام ،اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی۔ مزید برآن، حکومت لوگوں کے مختلف طبقات و مفاد پرستوں کی مصلحتوں کی سرپرستی کرتی ہے۔ اس بنا پر حکومت، ملت وقوم کی اکثریت پر نقصان تھوپنے والی ہے۔ مزید برآں کہ نجی آزادی کی روک تھام کرتی ہے اور یہ بھی انسان کے مفاد میں نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کو آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ آگے چل کر حکومت کے مخالفوں نے آپس میں اختلاف پیدا کیا ہے۔ ایک گروہ جو کمیونسٹوں کی طرح ہے، اس نے

کہا: ''طاقت کے ذریعے (حکومت) کو مٹا دیا جائے۔''اور دوسرے گروہ نے کہا کہ : ''حکومت کو بتدریج اور مصلحت کے ذریعے ختم کیا جائے'' اور آپ قارئین محترم! ان کی بے مغز آراء ودلائل اور خود ان کا اپنی آراء پر عمل نہ کرنے کو عنقریب مشاہدہ کریں گے ۔

۱۔انسان کی طبیعت کا ہدایت یافتہ ہونا، بہت سے جرائم کے ساتھ کہ موجب تشکیل حکومت ہے، سے منافات نہیں رکھتا۔

۲۔ایسا نہیں کہ ساری حکومتیں صرف اقلیت کی مصلحتیں مقدم سمجھیں۔ یہ فیصلہ سب پر جلد بازی کا بغیر دلیل ہے'

۳۔نقصان دینے والی آزادی سے روک تھام عیب نہیں ہے بلکہ کمال ہے۔جی ہاں نافع اور بے ضرر آزادی کی روک تھام اچھی نہیں ہے۔

﴿ضوابط حکومت﴾

خود فتنہ وفساد کھڑا کرنے والے لوگوں نے نظام قیصری کو ختم کرنے کے بعد تشکیل حکومت کے معاہدے پر دستخط کیے، مگر کونسی حکومت؟ حیوانیت، ضرر اور گلا کاٹنے والی، ایک عجیب ترین حکومت جو حتی اقلیت کی رعایت کو بھول گئے اور جو صرف حکومتی جماعت (حزب اقتدار) کے مفادات کا تحفظ کرتی ہو۔اور نہ صرف یہ کہ جو آزادی سابق حکومتوں کی روایت میں ممنوع تھی بلکہ تمام آزادیوں کو ختم کر دیا جیسا کہ اس وقت کے انقلاب اکتوبر کی تاریخ کے تمام صفحات گواہ ہیں، اور مذہب کے مخالف وہاں کے لیڈر آج تک کمیونسٹ مما لک میں اسی طرز کو باقی رکھے چلے آرہے ہیں۔

جی ہاں! صرف اور صرف اکیلا اسلام ہی ہے جو ایک درست نظریۂ حکومت پیش کرتا ہے جس نے عناصر، اہداف اور اپنے طرز عمل کو واضح بیان کیا ہے۔اگر پوری انسانیت اس پر عمل پیرا ہو جائے تو سب کے دل خوش و مسرور ہو کر اٹھیں۔

اسلام نے حکومت کی مثبت رائے پیش کی ہے لیکن اس کے باوجود نظام اور قوانین کی وضاحت کے ساتھ فسادی عناصر کو حکومت سے باہر نکال پھینکا ہے۔ اور کچھ اسلامی حکومتوں کا ان شرائط و قواعد کا نافذ العمل نہ کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان میں کوئی نقص ہے اور ان کو اسلامی اسلوب سے نکال دیا جائے۔

چنانچہ مثلاً ایک حاکم ڈیموکریسی کے قوانین کو چھوڑ دے تو قصور ڈیموکریسی کا نہیں ہے بلکہ اس حاکم کو ڈیموکریسی کی رفتار سے خارج کیا جائے

۱۔ اسلام وحشی درندوں کو تخت حکومت پر نہیں بٹھاتا (جیسا کہ دانشور نیچہ کا نظریہ تھا) بلکہ (پیغمبرؐ اور امامؑ کے بعد) سربراہ حکومت میں شرط کرتا ہے کہ: عالم، عادل، مدبرِ امور دین و دنیا ہو اور حکومت کے چرخے کو بہتر طور پر چلائے۔

۲۔ اسلامی حاکم لوگوں کے تمام طبقوں کے مفاد کے لئے سرگرم عمل ہوتا ہے، کسی خاص طبقے کے لئے نہیں۔ اور حاکم کو چاہیے کہ جملہ اصول و قواعد اسلامی ایک مرحلے مین ان پر نافذ کرے، مفاد پرستی، ذخیرہ اندوزی، سود، چور بازاری میں ان جیسی چیزوں کی روک تھام کرے جو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے آج کے تمام حکومتوں کا معمول بن چکی ہیں مثلاً سرمائیدارانہ حکومتوں، ملوک الطوائف، کمیونسٹ حکومتوں مین تنہا حکام اور بادشاہ ان امور کو بدترین طریقے سے انجام دیتے ہیں۔

۳۔ اسلام، کمیونزم کی طرح ساری آزادیاں سلب نہیں کرتا اور سرمائیداری کی روایت کی طرح ہر چیز کو بے لگام نہیں چھوڑتا بلکہ شائستہ آزادیوں کی اجازت دیتا ہے جبکہ ضرر رساں آزادیوں کی روک تھام پر عمل پیرا ہوتا ہے مثلاً لوگ حکومت اسلامی کے زیر سایہ معاملات، سفر، عمارت، تعمیر زندگی، صنعت، کھیتی باڑی اور ان جیسی چیزوں میں آزاد ہیں اور اسی حال میں کسی کو اجازت نہیں دی جاتی ہے کہ دوسرے سے مفاد حاصل کرے یا کسی کو پست کرے،

یا ایسا مواد جو اعضاء کو سست و بے حس کرنے والا ہو، مورد معاملہ وتجارت قرار دے۔ حال یہ کہ یہ فائدہ رساں آزادیاں کمیونسٹ حکومتوں میں ممنوع او رضرر رساں آزادیاں سرمائیدارانہ حکومتوں میں جائز و عام ہیں۔ ممکن ہے کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے اس پر آپ تعجب کریں کہ آیا اس قسم کی آزادی، سرمایہ داری کی روایت وروش میں ہے! جی ہاں۔ مگر اخبار و رسائل کے حملے کسی فرد مخصوص یا گروہ پر آزادی کی آڑ میں توہین اور دشنام طرازی نہیں ہے؟

﴿حاکمیت سسٹم یا فرد﴾

ان نکات کے ذکر کرنے کے بعد حکومت کے ان اقسام کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتے جو فلاسفہ، حکماء اور صاحبان نظر نے بیان کی ہیں البتہ ناموزوں نہ ہوگا کہ ذہن کی شناسائی کیلئے حکومت کے بنیادی ڈھانچے کی طرف اشارہ کریں

کلی طور پر حقوق انسانی وسیاسی کے لحاظ سے اصیل ہونے کی صورتیں:

۱۔ فرد اصیل ہے، حکومت نہیں۔

۲۔ حکومت اصیل ہے، فرد نہیں۔

۳۔ حکومت و فرد ایک ساتھ دونوں اصیل ہیں۔

مگر وہ مذہب جو فرد کو اصیل قرار دیتا ہے: گذشتہ صفحات میں ہم نے کہا تھا کہ ایک جماعت کے نظریہ کے مطابق انسان پوری آزادی کے ساتھ تمام شعبوں میں زندگی بسر کرے، سوائے اس حکومت کے جو اس کی آزادیوں کو کچل دے۔ اس نظریہ کی عدم صحت اس کے مفاسد کے علاوہ ہے جو بیان ہو چکا۔

مگر وہ مذہب جو تنہا حکومت کے اصیل ہونے کا قائل ہوا ہے: یہ مذہب ان لوگوں کا ہے جنہوں نے حکومت کو ناپسند سمجھا ہے اور کسی طور پر کسی فرد کی اہمیت وارزش کے قائل نہیں ہیں۔ اس بنیاد پر جو حکومت چاہے گی عمل کرے گی۔ جس میں شخصی آزادی، خوشی اور

اس کے مطالبات کا کوئی لحاظ نہ ہوگا۔

مگر وہ لوگ جو حکومت اور فرد دونوں کے ساتھ ساتھ اصیل ہونے کے قائل ہوئے ہیں: وہ مراد ہیں:

الف۔ وہ لوگ ہیں جنہوں نے فرد کو صلاحیتوں کے دینے میں افراط کیا ہے

ب۔ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حکومت کو صلاحیتوں کے دینے میں افراط کیا ہے

ج۔ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں کے درمیان عدالت سے فیصلہ کیا ہے، جس کو اختصار کے ساتھ واضح کرتے ہیں:

ا۔ جن لوگوں نے حکومت کو قبول کرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ تر صلاحیتیں فرد کو دی ہیں یہ اس کارگذاری کا عکس ہے جو اٹھارویں صدی عیسوی میں حکومت نے ہر شعبے میں حتیٰ کہ لباس اور اس کے ماڈلوں کے منتخب کرنے میں دخل اندازی کر رکھی تھی۔ لوگ اپنی پسند پر لباس وغیرہ پہننے پر قادر نہیں تھے۔ چنانچہ اس مذہب کے ہواخواہوں سے ایک گروہ نے کہا کہ حکومت کو فردی اقتصادی شعبوں میں دخل اندازی سے دور رکھنا چاہیے تاکہ سامان درآمد، برآمد کرنے کا اور تجارتی معاملات میں حکومت کوئی دخل نہیں رکھتی ہو۔

اسی مذہب کے ہواخواہوں سے دوسرے گروہ نے کہا کہ: سوائے ان موارد کے کہ فرد واحد سب کو نقصان پہنچائے، حکومت اس کے معاملات میں دخل اندازی کا حق نہ رکھے۔ کیونکہ اگر انسان کی آزادی کچل دی جائیں تو اس کی ایجاد، صنعت اور بہت سی چیزیں بنانے کی صلاحیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔

آخر کار دوسرے ایک گروہ نے کہا کہ ہر فرد پر لازم ہے کہ اقتصادی و عملی امور کی اپنی فہرست معین کرلے سوائے اس قسم کے امور کے کہ جن میں حکومت حق دخالت رکھتی ہو۔

۲۔وہ لوگ جنہوں نے حکومت کو صلاحیتوں کے دینے میں تجاوز کیا ہے دلیل لاتے ہیں کہ انسان کا اجتماعی پہلو اس کے شخصی وانفرادی پہلو سے اہم ہے لہذا افرد واحد کو حق نہیں ہے کہ زیادہ مقدار، یا بقدر مساوی صلاحیت کو اپنے لئے مخصوص کرے۔ بلکہ اگر صلاحیت کے دس حصے کریں تو نو حصے حکومت کے لئے اور ایک حصہ فرد سے متعلق ہوجائے گا۔مزید برآں حکومت زیادہ واضح اور گہرا تجربہ رکھتی ہے ہیئت حکومت کی مجموعۂ آراء،فرد واحد کی رائے سے تمام موضوعات میں درست تر اور صحیح تر ہیں۔

۳.جس نے حکومت اور فرد دونوں کے درمیان میں عدالت کو روا رکھا ہے، اسلام ہے۔جس نے ہر ایک حکومت اور فرد دونوں کے لئے حقوق مقرر کئے ہیں، اسطرح کہ حکومت لوگوں کے امور کی نگرانی، ان کی بدنظمیوں کا خاتمہ، ان کو راہ خدا پر گامزن اور مجوزہ ترقی کی طرف رہبری کرتی ہے اس کے بعد ہر فرد زندگی کے مختلف شعبوں میں سارے حقوق اور پوری آزادی رکھتا ہے اور اسلام نے انفرادی آزادی کی حمایت کی خاطر دو قانون وضع کئے ہیں۔جو عبارت ہیں:

۱۔ لوگ اپنی جان پر مسلط ہیں۔ ۲۔لوگ اپنے اموال پر مسلط ہیں، سے۔

جس طرح لوگوں کو حکومت کے جاری کرنے کا حکم (حکومت کو سننے اور اس کی اطاعت کا) دیا۔یقیناً اسلام کا اہم امتیاز اس موضوع پر یہی ہے کہ اس نے حکومت کی صلاحیتوں کو پرکشش نہیں بنایا جتنا کہ ہر فرد کی آزادیوں اور خود مختاریوں میں توسیع دی ہے۔کیونکہ اسلام نے قانون سازی کی سپردگی کا ہاتھ لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں تھمایا تا کہ انفرادی خود مختاری خطرے میں نہ پڑے،جیسا کہ آج کے معاصر حکومتوں میں نظر آرہا ہے

﴿اہداف حکومت﴾

جو کچھ گزر چکا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اسلامی کا ہدف عبارت ہے:

ا۔ لوگوں میں، عدالت میں توسیع ،تا کہ کوئی دوسرے پر تعدی وتجاوز نہ کرے۔

۲۔ لوگوں کے لئے مناسب فضاء مہیا کرنا، زندگی کے تمام شعبوں میں ان کو آگے بڑھانے کے لئے۔

یہ دو ہدف اس اعتبار سے تھے کہ اسلام حکومت ہے، مگر اس اعتبار کے ساتھ کہ حکومت حاکم وفرمانروا ہے، تیسرا ہدف بھی رکھتا ہے: وہ ہے لوگوں کو اطاعت خدا کے لئے قریب کرنا اور معصیت سے دور کرنا تا کہ پاداش الٰہی سے بہرہ مند ہوسکیں (اور طبعا) یہ ہدف ان تمام مفروضات سے جداگانہ ہے جن کو حکومتیں اہداف بنائے پھرتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

ا۔ کسی گروہ کی نظر میں حکومت کا ہدف قومی برتری کی حمایت، شہریوں کی آزادی کی محافظت اور لوگوں کی ترقی کی کوشش ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ کہتا ہے: حکومت کا ہدف امن کا قیام لوگوں کے درمیان نظم وعدالت کی برقراری، قوم کی ضروریات کو پورا کرنا، عام آسائش کی فراہمی کے لئے کوشش کرنا اور لوگوں کی سطح بلند کرنا ہے۔

۳۔ تیسرے گروہ کے عقیدے کے مطابق: ہدف حکومت عام آسودگی کی کھوج، لوگوں کو خودمختاری دینا، انسان کی سعادتمندی کی راہ استوار کرنا اور اخلاق کی حمایت کرنا۔

یقیناً تین نکاتی اہداف جو ہم نے اسلام کیلئے ذکر کئے ہیں وہ ان کو ہی نہیں بلکہ ان کے علاوہ کو بھی شامل ہیں جو ان لوگوں نے بیان کئے ہیں۔

﴿تین رنگی عناصر﴾

لیکن حکومت کو تشکیل دینے والے عناصر جو ان کے بغیر تشکیل حکومت ناممکن ہے وہ عبارت ہیں:

ا۔امت فرمانبردار۔(ہیئت اقتدار کی)

۲۔ہیئت اقتدار

۳۔سرزمین کہ جس میں سکونت پذیر ہوں، سے۔

اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ امت، ہیئت اقتدار کے دین پر ہو یا نہ ہو۔اس میں اختلاف ہے کہ اسے حکومت کہنا صحیح ہے یا نہیں جب امت کیلئے کوئی خاص سرزمین نہ ہو مثلاً کوئی مسلمان کسی کافر ملک میں زندگی بسر کرے لیکن کسی دوسرے ملک کی ہیئت اقتدار کا فرمانبردار ہو۔دوسرا بھی اختلاف ہے کہ اگر ایک ہی سرزمین پر دو حکومتیں ہوں اور امت دونوں کی فرمانبرداری کرے سوائے اس کے کہ دونوں حکومتوں کے درمیان تصادم ہو جائے۔تو آیا ایسی صورت میں اس کو حکومت کہنا صحیح ہے یا نہیں۔مگر یہ بحث اور پچھلے دو فرضوں پر جو بحث مترتب ہوتی ہے، دونوں ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔اور ہم تو اسلام کی رو سے (اس) بیان کے متعلق جو کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر فرد مسلمان کو چاہیے کہ ہیئت اقتدار اسلامی کا مطیع اور پابند ہو خواہ ہیئت اقتدار کے لئے کوئی حکومت ہو یا نہ ہو یا ایک ہی سرزمین پر دو حکومتیں ہوں یا ایک ہی حکومت ۔ ان ملکی توانائیوں کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو ایک کامل حکومت میں مہیا کرنی چاہیں جیسے:

دولت و ثروت، اسلحہ، فوج، نظام، قبیلہ، دین، زراعت، صنعت، تعمیر، تعلیم و تربیت اور اجتماعی رابطہ امت اور حکومت کے درمیان۔

﴿ڈیموکریسی﴾

مناسب ہے کہ مشہور حکومتوں کے اقسام کا جلدی اور واضح ذکر کریں۔ دانشمندوں کے ایک گروہ کی نظر میں حکومت اور دولت میں فرق ہے۔ اس بیان کے ساتھ کہ حکومت وہی ہیئت اقتدار ہے اور دولت سرحدوں کے اندر مجموعۂ ملت کا نام دولت ہے۔

مگر اس کتاب میں ہمارے لئے اصطلاح اہمیت نہیں رکھتا لہذا اس کی بحث کو چھوڑ دیا۔ مگر اقسام حکومت عبارت ہیں:

۱۔ ڈیموکریٹک حکومت:

یہ یونانی لفظ ہے اور اس کا معنی لوگوں کی حکومت ہے گزشتہ قدیم زمانے میں یہ حکومت یونان و اسپانیہ میں تھی اور اس کو فرانسیسی انقلاب نے دور جدید میں زندہ کردیا۔ انقلابی، بادشاہوں کے ظلم و جبر اور تعدی وتجاوز کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ڈیموکریسی سے مراد ہے پارلیمنٹ کی تشکیل کے لئے قوم کے آزاد نمائندوں کے انتخابات، تا کہ پارلیمنٹ کے نمائندگان کی اکثریت کے احکام وقوانین صحیح کے ذریعے مملکت پر اندر اور باہر حکومت کی جائے۔ اور بالکل واضح ہے کہ اسلام اس نظام کو قبول نہیں کرتا کیونکہ ڈیموکریسی، حکومت کا سرچشمہ، عوام کو قرار دیتی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں اور اسلام خدا کے سوائے کسی کی حکومت مناسب نہیں سمجھتا ہے اور جدید جمہوریت کے لئے ممکن ہے جبکہ سارے شہری ایک ہی خطے سے تعلق رکھنے والے ہوں تو خون کے رشتوں، اصل ونسب، زبان اور ان کی مشترک عادتوں کو اپنی گرہ باندھ لے۔ اس مفہوم کے ساتھ ڈیموکریسی اسی قوم اور اصل ونسل پرستی کے فکر کے ساتھ ہے لہذا اسلام اس کو سند قبولیت نہیں دیتا۔ اور یہ بہترین اعتراضات ہیں مگر اختصار کی وجہ سے پیش نہیں کر سکتے۔

۲۔﴿ارستوکریسی :﴾

جس کا معنی اقلیتی حاکم کے ہیں جو لوگوں پر منتخب کیا گیا ہو اس کا انتخاب علم و دانش، دین یا فوجی گروہ کی مانند یا ایسے کسی اور بنیاد پر ہوتا ہے۔ ارسطو کے نظریے کے مطابق یہ حکومت بہترین حکومتی اسلوبوں میں سے ہے۔ صرف اس میں یہ شرط ہے کہ اقلیت حاکم منصب ہو۔ اس پر بھی اسلام دستخط نہیں کرتا گزشتہ مشکلات کی وجہ سے اور مزید برآں اقلیت حاکم کے لئے کوئی معیار قرار نہیں دیا ہے اور اکثر ایسی اقلیت خود پرستی و فضول خرچی کا شکار ہوتی ہے جس طرح انگلستان میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہاں پر دو مجلسیں (parlement) قائم ہیں۔ مجلس لارڈس، مجلس عوام۔ اور برطانیہ کے مراکز استعمار میں سے بہت سے مراکز جو استعماری حکومتوں کے اندر ہیں وہ انہیں لارڈوں سے منسلک ہیں، جو اپنی اقتصادی و اجتماعی مراکز کے خواستگار ہیں۔ اور یہ اپنی خواہشات کے لئے دوسرے ملکوں کے استعمار کو مجبور کرتے ہیں۔

﴿سوشلزم﴾

۳۔ سوشلسٹ حکومتیں:

سوشلزم سے مراد ہے دولت و ثروت کو قومی تحویل میں لینا۔ اس معنی کے ساتھ کہ ساری دولت و ثروت حکومت سے منسلک ہو جائے اور اس کے دو حصے ہیں:

۱۔ سوشلسٹ کمیونسٹ حکومتیں　　　۲۔ سوشلسٹ غیر کمیونسٹ حکومتیں

اور فی الحال ہمارا مقصود دوسرے نمبر کی حکومتیں ہیں جس کا یہ مطلب ہے کہ حکومت کا تسلط عام منابع ثروت پر ہو جیسے ریلویز، بجلی، بڑے کارخانے، زمین، فاریسٹ، دریا، معادن، بڑی نہریں اور ایسے پیدائشی ذرائع۔ اس سسٹم کی چند طریقوں سے تعریف کی گئی ہے۔ مثلاً ''دیکنسون'' کہتا ہے: تنظیم اقتصادی قوم، کی نگرانی میں ملک کے ذرائع آمدنی پوری قوم کی

ہونی چاہیئے ۔ان ذرائع ووسائل کوایک ایسی ہیئت کہ جوقوم کی نمائندہ ہو سکےاوراس پرنگران ہو، کے ذریعے چلایا جائے اور یہ کام ایک عام اقتصادی منصوبہ بندی کے ذریعے وہ۔ چنانچہ اس مشترک ومنظم ذریعہ معاش کے معاملات افرادقوم سے ہرفرد کا حق عدالت کے ساتھ ہونا چاہیے۔اور غالباً کمیونزم اور سوشلزم کے درمیان اہم فرق یہی ہے کہ پہلا نظام سارے وسائل کے علاوہ ہرقسم کی دولت وثروت حتی رہائشی گھر اوراس طرح کی جائیداد کومشترک سمجھتا ہے جبکہ دوسرا عام وسائل ثروت کو ہی ہتھیانے کا نظریہ پیش کرتا ہے۔اور خود سوشلزم کا نظام مختلف ملکوں میں مختلف ہے۔مثلاً ہر کمیونسٹ ملک انگلستان ، ہند،عرب وغیرہ جیسے ممالک منابع ثروت میں کوئی جدید طرز ایجاد کرتے ہیں۔

بالآخر نظام سرمایہ داری اور سوشلزم میں دوسرا فرق نظرنہیں آتا مگر کچھ موارد میں چونکہ سوشلزم حکومتوں (بمع کمیونسٹ حکومتیں)اورسرمایہ دارممالک میں سے ہرایک اسی طرز واسلوب سوشلزم پررواں دواں ہے۔جی ہاں جس تفاوت کوذکر کیا جاسکتا ہےوہ یہ ہے کہ:

۱۔کچھ حکومتیں روس جیسی کمیونزم کی طرف زیادہ میل ورجحان رکھتی ہیں۔

۲۔کچھ حکومتیں جیسے انقلابی عرب ممالک زیادہ رغبت سوشلزم کی طرف رکھتی ہیں۔

۳۔اورحکومتوں کی کچھ تعداد جیسے امریکہ کارجحان نظام سرمایہ داری کی طرف ہے۔

﴿کمیونزم﴾

۴۔کمیونسٹ حکومت:

کمیونسٹ حکومت دیرینہ زمانے سے یونان میں ظاہر ہوئی لوگ اس کے برخلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔اوراس کی آواز دبا دی۔اس کے بعد دوسری دفعہ فارس کی زمین پر''مزدک'' نامی شخص اوراس کے ہواخواہوں کے ذریعے ظاہر ہوئی (مگر) پھراس کے خلاف لوگوں کی جدوجہد نے اسے خاموش کردیا،تا آنکہ آئندہ ساٹھ سالوں کے عرصے میں تیسری دفعہ

روس میں ظاہر ہوئی اور دوسری حکومتوں مثلاً چین، یوگوسلاویہ مشرقی المانیا، کیوبا وغیرہ نے اس کی پیروی کی اور اب رو بہ زوال ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اگر امریکہ دوسری عالمگیر لڑائی میں روس کی المانی نازیوں کے خلاف مدد نہ کرتا تو اس وقت ہی کمیونزم (ان) قوموں سے نابود ہو جاتی۔ مگر وہ مدد کمیونزم کے لئے اس کی بقا اور اب تک کے پھلنے پھولنے کا سبب بنی۔ مگر ظاہر ہے کہ کمیونزم اندر اور باہر آخری نیستی کی طرف گامزن ہے۔ اور کیونکہ کمیونسٹ حکومتیں اور ان کا نگہبان روس سرمایہ داری نظام کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور ایک طرف سے مہلک چوٹیں باہر سے اس نظام کے خلاف ان کو سہنی پڑتی ہیں اور اگر تیسری عالمگیر لڑائی شعلہ زن ہو جائے تو کمیونزم مٹ جائے گی۔ چنانچہ شواہد اور سیاسی پیش گوئی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

شروع میں کمیونزم ایک اقتصادی پروگرام کے تحت تھی بعد میں تھوڑا تھوڑا پھیلتی گئی تا آنکہ عام فلسفے کی صورت اختیار کر لی اور زندگی کے تمام شعبوں میں مداخلت کرنے لگی۔ اس کا جوہر حقیقتاً دو اہداف میں ملخّص ہو جاتا ہے:

۱۔ لادینیت نسبت بہ آئیڈیالاجی

۲۔ دولت وعورت کا سب میں پھیلاؤ۔

بعد میں یوں کروٹ بدلی کہ پوری دولت وثروت حکومت کی ڈیوڑھی کے اندر ہو جائے۔ اور لوگ تاحدّ امکان زیادہ کام کریں اور خرچ کم کریں اور عورتیں بھی خاندان کے نظام میں اور عام پھیلاؤ کیلئے تقسیم ہوئیں اور آخر نتیجۃً نہ کوئی خاندان باقی رہا نہ کامل پھیلاؤ۔

''اسٹالین'' کے کہنے کے مطابق مارکسزم ایک ایسا علم ہے جو طبیعت اور قوم کی ارتقاء کے قوانین اور ستم رسیدہ اور استحصال شدہ طبقات کو انقلاب کے قوانین سکھاتا ہے اور یہ وہ علم ہے جو سوشلزم کی کامیابی کی تمام ملکوں میں خوش خبری سناتا ہے۔ آخر کار مارکسزم وہ علم

ہے جو کمیونسٹ قوم کی تعمیر کا ہمیں سبق دیتا ہے۔

﴿مارکس کی تھیوری﴾

مارکس کی نظر میں عوامل مادی واقتصادی ہی ہیں جو تعمیر قانونی، اجتماعی، سیاسی، ہنری، دینی وغیرہ کو وجود میں لاتے ہیں۔ اس بنا پر امور مذکورہ کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ بلکہ مادیات کی تکمیل کے حساب سے یہ بھی پایہ تکمیل تک پہونچ پاتے ہیں۔ اور خود مادیات، وسائل پیدائش کی تکمیل کے حساب تکمیل پاتی ہیں۔ اور ان کی نظر میں تاریخ نے بھی مادہ سے جنم لیا ہے اسی مفہوم کو ''تفسیر مادی تاریخ'' نام دیتے ہیں اسی طرح مارکس (مارکسزم کا بانی) ''ہیگل'' کی پیروی میں کہتا ہے: فکر انسانی ڈائلیکٹک (علم منطق یا سقراط کا طرز محاورہ) کی پیروی میں ارتقاء کی طرف بڑھ رہی ہے اور اس کی نظر میں ڈائلیکٹک سے مراد یہ ہے کہ ہر تھیوری اور تھیسس اپنے ظاہر و آشکار نتائج کے ساتھ حاملہ ہوتی ہے۔ چونکہ ہر تھیسس کا ایسا ضد بھی ہوتا ہے جو اس پر غالب آجاتا ہے (یہ تھیسس بار آور نہیں ہو پاتی) ہاں کوئی تھیوری اس قدر استمرار و دوام پا لیتی ہے جو اگر اس کی ضد بھی اپنے طمطراق کے ساتھ سر اٹھائے تو اس کو کچل دے (تو یہ بار آور ہو سکتی ہے۔)

''مارکس'' نے اس تھیوری کو عالم افکار سے عملی طور پر اجتماعی نظاموں کی طرف منتقل کیا اور اس کے نظریہ کے مطابق ہر اجتماعی نظام میں چلتے چلتے فنا کے اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو اس نظام کو فنا کر دیتے ہیں اور بعد میں آنے والا نظام اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ یوں فکر و نظام بدل اور نقص و کمال کی دوڑ دھوپ میں ہمیشہ رواں دواں رہیں گے۔

مارکس کی نظر میں صرف دو طبقے وجود رکھتے ہیں:

۱۔ مزدوروں کا طبقہ

۲۔ مالکوں کا طبقہ یا سرمائیدار۔

اور ہمیشہ دوسرا طبقہ پہلے سے مفاد حاصل کرتا رہا ہے۔ لہذا سرمایہ داروں اور مالکوں کے ہاتھ سے دولت وثروت کو چھیننے کے لئے ان کے خلاف انقلاب لانا ضروری ہے "مارکس" کہتا ہے کہ: تمام اخلاق وادیان، سرمائیداری نظاموں کی پیدائش ہیں اس بنا پر سوائے خرافات و سود خوری کچھ نہیں۔ اس کے نظریہ میں پہلے وسائل پیدائش، اسکے بعد زمینوں کو قومیانہ چاہیے۔ بعد ازیں شخصی مالکیت کے نام کلی طور پر بتادیئے جائیں، چنانچہ خاندانی نظام بے کار اور عورتیں عام ہو جائیں اور سب کے درمیان مشترک ہو جائیں کیونکہ خاندان تو سرمائیداری نظام کی پیدائش ہے۔ ان اہداف تک رسائی کے لئے اور کیمونسٹی نظام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پہلے نظم ونسق پیدا کرنا چاہیئے اور توانائی کو زور۔آوری کے ساتھ حاصل کرنا چاہیئے۔ تب آمریت ان کارگزاریوں کا بدترین طریقہ ہو۔ لہذا "اسٹالن" نے قتل، آوارگی اور قید خانے کو رواج دیا جیسے (ابوالاعلی مودودی) نقل کرتے ہیں کہ تقریبا بیس (۲۰) ملین انسانوں کو منتشر اور صفحہ ہستی سے مٹادیا۔

﴿گفتار "مارکس" پر نقد ونظر﴾

کیمونسٹ تھیوری پر بہت سے اعتراضات ہیں۔ منجملہ:

۱۔ چرخہ تاریخ کو کچھ وجوہات کی بنا پر وجود میں لاتی ہے۔ جیسے دین، مردانگی، اپنوں کی دوستی، گروہ بندی، وطن پرستی اور ایسی اور چیزیں، صرف اقتصاد نہیں (کیمونسٹوں کے بقول)

۲۔ دین حقیقت ہے وہم نہیں ہے جیسا کہ علم فلسفہ سے ثابت ہو چکا ہے

۳۔ اخلاق حقیقت ہیں وہم نہیں ہیں۔ کیا کیمونسٹ قبول کریں گے کہ کوئی ان سے خیانت کرے یا ان سے جھوٹ بولے تجارت میں دھوکا کرے؟

۴۔ خاندان فطرت بشریت کا سربستہ راز ہے مزید برآں گھرانہ لائق اولاد کی تربیت کا آشیانہ ہے۔

۵۔وسائل پیدائش کا اشتراک باعث کوتاہی پیدائش ہے۔جب انسان جان لے کہ اس کی کمائی سے دوسرا بہرہ ور ہوگا تو کام کرنے کے لئے ضرورت آمادگی پیدا نہ کرسکیں گا

۶۔کمیونسٹوں کی گفتار میں تضاد بیانی نظر آتی ہے کیونکہ ان کے بقول کمیونزم آخری نظام ہے جس کو باقی رہنا چاہیے اور دوسری طرف سے کہتے ہیں کہ ہر نظام اپنی رفتار کے دوران اپنا ضد اپنے ساتھ رکھتا ہے۔اس بنا پر دوسرے قول کا قہری نتیجہ یہ ہے کہ کمیونزم اور سوشلزم مرمٹ کر دوسرے نظام میں تبدیل ہو جائیں گی۔

۷۔قوم صرف دوطبقوں سے تشکیل نہیں پاتی بلکہ اس میں ملازم ، طالب علم ، ہادی ، مزدور ،زمیندار،تاجر،عالم،ہنرمند،شاعر،کاتب اوران کے علاوہ بہت سے طبقے موجود ہیں۔

۸۔لوگوں کے ضبط کئے ہوئے مال جب تک حکومت کے خزانے میں جمع کئے جائیں،بڑے سرمائے کے نام پر چھوٹے سرمائے کوناس کرنے کے مترادف ہے

۹۔آمریت،طبیعت بشر کے لئے سازگار نہیں ہے اس کو مٹادینا چاہیے۔

۱۰۔جس طرح سرمائیداروں پر ظالم وستمگر ہونے کا اعتراض ہے۔کمیونسٹوں پر بھی یہی شدید طریقے سے عائد ہے، کیونکہ ان کا ظلم ستم زیادہ ہے۔

﴿سرمایہ داری﴾

۵۔حکومت سرمایہ داری:

اس سے مراد ہے: سود کمانے اور مالی بہرہ وری کی پوری آزادی۔اور حقیقت میں یہ نظام کسی حکومت کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ساری حکومتیں اس عنوان کی خاص شرائط واصول کے ساتھ اجازت دیتی ہیں۔

اسلام مروجہ سرمایہ داری کی طرز کو قبول نہیں کرتا بلکہ اسلام تمام قسموں کی منفعت حاصل کرنے کو مخصوص ضابطوں کے ساتھ جائز سمجھتا ہے جیسا کہ اس کو ہم بیان کریں گے۔

حاکمیت اسلام

۶۔ حکومت اسلامی:

حکومت اسلامی زندگی کے تمام شعبوں میں مخصوص پروگرام رکھتی ہے۔ یہاں پر مناسب ہے کہ اس پروگرام کے اصولوں کی طرف اشارہ کریں۔

ا۔ مطالعہ جہان:

اسلام کی رو سے جہان کا ایک ایسا پیدا کرنے والا ہے جو عاقل، طاقت ور اور عادل ہے۔ اس جہان کے فنا ہونے کے بعد پوری مخلوقات اسی کی طرف پلٹے گی تا کہ نیکو کاروں کو اچھی جزا ملے اور بد کاروں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

اسلام کی رو سے ابوالبشر حضرت آدمؑ کی پیدائش کے ساتھ انسان ایک جگہ اور موجودہ صورت کے ساتھ پیدا ہو گیا، نہ یہ کہ تدریجاً انسان نے آ کر یہی صورت اختیار کی جو کہ ''ڈارون'' فکر کرتا ہے۔

۲۔ قوانین وضوابط:

اسلام کی رو سے قانون سازی فقط خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ہر حکم اور قانون کہ جس کا سرچشمہ کتاب، سنت، اجماع اور عقل نہ ہو کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ کتاب سے مراد قرآن کریم اور سنت سے روایات و احادیث ہیں جو کہ نبی اکرمؐ اور بارہ اماموںؑ کی گفتار، کردار اور رفتار سے منقول ہیں۔ اجماع سے مراد ہے فقہاء کے ایسے گروہ کا کسی حکم پر اتفاق کہ معصومؑ بھی اس کا جزء ہو۔ اور آخری عقل سے مراد وہ علل احکام ہیں کہ جن کو عقل درک کر سکتی ہے مثلاً جھوٹ کی برائی، احسان کی اچھائی اور ایسی اور چیزیں۔ مگر وقتی حادثات جیسے جنگ اور صلح وغیرہ، اس کے بعد جو اسلام کے قوانین کلیہ ان امور کو شامل ہیں باخبر حکومت اسلامی وقت

کے شرائط کے مطابق ان امور پر حکم عائد کریگی۔

۳۔ نظام حکومت اسلامی:

اسلام کی رو سے مملکت اسلامی پر خدا کی طرف سے حکومت ہوگی۔ خدا نے یہ اختیار پیغمبرؐ اور اس کے بعد بارہ اماموں کو دے دیا ہے۔ اور امام نے خدا کے دستور کے مطابق یہی اختیار ایسے مرد کو سونپ دیا ہے جو احکام کو جان لے اور (ان کو) جاری کرے، اور مزید برآں وہ مرد عادل بھی ہو (یعنی نفسی حالت ایسی رکھتا ہو کہ اس کو واجبات کی ادائیگی اور محرمات کے ترک پر ابھارے) یہ اسلامی حاکم حق رکھتا ہے کہ کسی مرد یا گروہ کو امور مسلمین چلانے کے لئے وکیل کرے اگر وہ اس کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اگر حاکم جامع الشرائط بہت سے ہوں تو ہر کوئی لوگوں کے انتخاب کے شرط کے ساتھ ان کے امور کی باگ دوڑ سنبھال سکتا ہے اور احکام میں مراجع تقلید کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ اگر کسی اسلامی ملک میں دو حاکم ہوں، اور ہر ایک ان میں سے موازین اسلام کے مطابق حکم کرتا ہے تو کوئی مشکل نہیں ہے اور تاوقتیکہ حاکم مذکورہ شرائط کے ساتھ متصف ہو اپنے مقام پر باقی رہے گا۔ پس اگر کچھ شرائط مفقود ہو گئے مثلاً عدالت سے گر گیا خود بخود حکومت کی صلاحیت سے ساقط ہو جائیگا۔

۴۔ زراعت:

زمین اسلام کی رو سے دو حصوں مین تقسیم ہوتی ہے وہ زمین جو حکومت کی ملک یعنی حکومت کے ہاتھ میں ہوتی ہے مثل اس زمین کے جو مسلمانوں نے جنگ کے ذریعے حاصل کی ہے اور اصطلاح شرع میں اسے "مفتوح بعنوۃ" نام دیا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ مباح زمینیں ہیں۔ پہلی قسم کی زمین سے حکومت فصل لیتی ہے اور اس کی پیداوار سارے مسلمانوں کے لئے ہے ۔اور دوسرے قسم کی زمین اس شخص کی ملکیت ہوتی ہے کہ جس نے اس پر سبقت کی ہو۔ اس

بنا پر زمین خدا ہر اس شخص کی ملکیت ہے جو اسے آباد کرے۔ جب اسلام نے لوگوں کو زراعت کی طرف رغبت دلائی ہے اور اس میں کوئی قید و بند قرار نہیں دیا لہذا حکومت اسلامی کی ساری زمینیں آباد اور سود مند ہو سکتی ہیں۔ اسلام میں ''ملوک الطوئفی'' اپنی طرز وروش (یورپ کے اندر جاگیردار طبقہ رعایا پر حق تسلط و حکومت رکھتا تھا) کے ساتھ اور زرعی اصلاحات جو اس زمانے میں معمول بن چکی ہے وجود نہیں رکھتیں۔

۵۔ سوداگری و تجارت:

جبکہ اسلام آزادی فراہم کرتا ہے، ہر آدمی حق رکھتا ہے کہ جو چاہے اور جس طرح چاہے تجارت کرے۔ اس طریقے سے اسلام اور سوشلزم و کمیونزم کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سرمایہ داری نظام کے ساتھ بھی مندرجہ ذیل موارد میں فرق رکھتا ہے:

۱۔ نقصان دہ مواد جیسے ہیروئن کی تجارت کا کوئی حق نہیں رکھتا۔

۲۔ اسلام میں حرام چیزون جیسے الکحل کے مشروبات اور سور کی تجارت کا کوئی حق نہیں رکھتا۔

۳۔ کوئی حق نہیں رکھتا کہ کسی کو اقسام تجارت اور منفعت کمانے سے روکے۔

۴۔ جو کوئی منافعہ کماتا ہے اس پر واجب ہے کہ ''خمس'' یعنی پانچواں حصۂ منفعت اور اسی طرح اپنی زکاۃ حکومت اسلامی کو ادا کرے۔ حکومت بھی اس آمدنی کو ضرورتوں کے رفع کرنے میں خرچ کرے تا کہ نہ کوئی ضرورتمند باقی رہے نہ کوئی ضرورت۔

۵۔ حکومت تجارت و کسب منفعت کا حق رکھتی ہے البتہ ان موارد میں کہ قانون (لاضرر ولاضرار) ان کو شامل ہو، حکومت دوسروں کو نقصان دینے کی مجاز نہیں ہے۔

۶۔ جیسا کہ حکومت تجارت کو اپنانے کا حق نہیں رکھتی، اس دلیل کے ساتھ کہ تجارت کے سارے اقسام آزاد ہیں۔

۶۔صنعت اور اسلام:

صنعت کسی بھی نوعیت کی ہو اسلام اس کی رغبت دلاتا ہے۔صنعتوں،کارخانوں پر کوئی قید و حد،شرط وٹیکس،جواب تمام حکومتوں میں معمول ہے،عائد نہیں کرتا۔اس لئے صنعت اسلام کی روشنی میں تیزی کے ساتھ منزل ارتقاء کی طرف بڑھے گی۔

۷۔آزادی اور اسلام:

آزادی اسلام کے لحاظ سے کوئی آئین کوئی فکر ماضی میں ہو خواہ مستقبل میں اسلام کے آسمان سطح کو چھو نہیں سکتا۔ ہر آدمی اسلام کی روشنی میں سفر، رہائش، زراعت، تجارت ،اقتصاد اور تمام امور میں آزاد ہے۔ اور کوئی شخص ان کاموں سے اسے روک نہیں سکتا ۔ہاں اس صورت میں کہ وہ حرام کام انجام دے (ایسے امور بھی بہت کم ہیں) لہذا کوئی محدودیت،ٹیکس،قید،شناختی کارڈ،پاسپورٹ،تعارفی کارڈ،نوکری سے معافی کارڈ اور ایسی چیزیں اسلام میں اعتبار نہیں رکھتیں۔

۸۔اقتصاد اور اسلام:

اقتصاد اسلام میں وسیع طریقے سے ترقی کرتی ہے،مندرجہ ذیل عوامل کی وجہ سے:

الف۔اسلام تجارت،زراعت اور صنعت میں آزادی دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آزادی و خودمختاری مملکت کی اقتصاد کی سطح کو کس درجے بلند کرنے میں مددگار ہے!

ب۔خود حکومت اسلامی جہاں تک ممکن ہے زیادہ سے زیادہ مقدار میں زمین وخاک وطن کی فصل اگانے کا کام سرانجام دے گی،جو کہ ارتقاء و رونق اقتصاد کا ایک اہم سبب ہے۔

ج۔حکومت اسلامی میں ملازمین بہت کم ہوتے ہیں اور ان کی تنخواہیں حکومت کے خزانے سے دی جاتی ہیں،کیونکہ اسلام بہت سے اداروں کو شرعی اور ضروری نہیں سمجھتا اس لئے

اسلام میں ادارہ جات سادگی کے ساتھ اور کم تعداد میں ہیں۔

د۔ حکومت اسلامی کا فرض ہوتا ہے کہ ضرورت، فقر اور بیروزگاری کو قوم سے دور کرے اور انسانی او رطبیعی توانائیوں کو کسب منفعت او رتجارت پر لگائے۔ یہی اقدام خود ملک کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کا باعث ہے۔

۹۔ فوج اور اسلام:

فوج کا کردار بہت ہی مفید اور فعال ہے۔ اسلام میں فوجی بھرتی جبری نہیں ہے بلکہ اسلام تمام لوگوں کو فوج کے لئے آمادہ کرتا ہے مندرجہ ذیل ان دو طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ:

اول: فوجی آمادگی اور اسلحہ و فوجی جنگی مشقوں کی نوعیت میں ترقی البتہ بطور رضا و رغبت، نہ بالجبر و اکراہ

دوم: زمین کی ایک بڑی اراضی مہیا کرنا کہ جس میں ہر خواہشمند آدمی کی تعلیم کے لئے بہترین ماڈرن وسائل ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ لوگ ایسی تربیت و تعلیم گاہ کہ جوان کا چند گھڑیوں سے زیادہ وقت نہیں لیتی او رپھر ان کو مضبوط او رتوانا بنادے، بڑا استقبال کریں گے، جیسا کہ پہلے زمانے میں لوگوں نے قدیمی اسلحے کی تربیت اسی انداز سے لی ہے۔

۱۰۔ صلح و اسلام:

اسلام دین صلح و امن ہے لہذا کسی پر تجاوز نہیں کرتا۔ جنگ کی نچلی سطح پر اکتفا کرتا ہے۔ اگر مظلوم قوم ہو تو اسلام ان کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے اور اس کو استعمار و استحصال کے آقاؤں اور ظالموں کی آلودگی سے پاک و نجیب کر دیتا ہے۔

۱۱۔ صحت اور اسلام:

اسلام نے صحت کے لئے ارشادات فرمائے ہیں۔ جیسے روزہ، ازدواج، نظافت اور نمک کا استعمال وغیرہ اور کچھ چیزوں سے روکا ہے جیسے پیٹ بھر کر کھانا اور اپنے کو خطرے میں ڈالنا اور نقصان دہ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے الکحل کے مشروبات اور سور اور ان چیزوں کو جو باعث اضطراب و ناخوشی ہوں۔ اسلام نے صحتمندی اور خوش عیشی کے لئے ہر چیز کی صحیح سمت اور اس کے پہلو کو اجاگر کر دیا ہے۔ مزید برآں اسلام نے بیماروں کے ساتھ خصوصاً ان میں جو محتاج ہیں، خاص رعایت برتی ہے حتی کہ میڈیکل ٹیموں، ہسپتالوں دواخانوں وغیرہ کی بنیاد یہیں سے سرچشمہ پاتی ہے۔

۱۲۔ علم وادب اور اسلام:

اسلام میں علم وادب کی سطح بلند کرنے کے لئے کوئی چیز اسلام کے اس قانون سے بہتر نہیں آئی جو فرماتا ہے کہ: ''علم ودانش کی طلب ہر مسلمان مرد وعورت پر واجب ہے۔''

۱۳۔ عورت اور اسلام:

عورت حد کمال تک خود مختاری اور شخصیت رکھتی ہے۔ اس طرح کہ سوائے بے پردگی اور اسکولوں، تالابوں وغیرہ میں مردوں کے میل جول کے، مردوں کی طرح تمام حقوق سے بہرور ہو سکتی ہے۔ اس بنا پر کوئی پیشہ اختیار کر سکتی ہے، درس پڑھ سکتی ہے، زراعت کر سکتی ہے، تجارت کر سکتی ہے، ڈاکٹر یا نرس ہو سکتی ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور کام۔ اسلام کے احکام کا ایک خاصا حصہ عورت کو ایک مخصوص اہمیت دیتا ہے، جو عمیق فلسفہ کے مطابق اس کی زنانہ طبیعت سے سرچشمہ پاتا ہے۔

۱۴۔قضاوت اور اسلام:

اسلام نے تا حد کمال سستا انصاف دینے کی حمایت کی ہے اور بڑی سادگی کے ساتھ۔ چنانچہ ایک قاضی سات معاونوں (یا کمتر) کے ساتھ ایسے شہر کی مشکلات کی تفتیش کر سکتا ہے جس میں ایک ملین آدمی رہتے ہوں، جس کے چند اسباب ہیں:

الف۔ جرائم کی کمی: اسلام ایسی صالح اور شائستہ فضاء پیدا کرتا ہے کہ جس میں جرائم کی کمی آجاتی ہے۔

ب۔ قضاوت کی بہت سادگی۔

ج۔ اسلام بہت سے ایسے قوانین کو قبول نہیں کرتا کہ جو جرائم کا باعث بن جاتے ہیں جیسے سرحدوں اور کسٹمس وغیرہ کے قوانین۔

۱۵۔ادارے اور اسلام:

اسلام میں ادارے بہت کم ہیں مثلاً ادارۂ اوقاف اور یتامیٰ اور ایسے قاضی سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے الگ اور مخصوص ادارے نہیں ہیں۔ اگر یہ کہیں کہ ادارہ جات اسلامی آج کی دنیا میں معمول ادارہ جات سے ۱۰/۱ ہیں تو حقیقت سے ہٹ کر بات نہیں کی ہے۔ حقیقتاً اس پندرہ نکاتی مواد سے ہر نکتہ کی ایک ضخیم جلد کتاب بن سکتی ہے تا کہ اسلام کے اس عنوان پر سارے امتیازات کو بیان کرے اور اس مختصر کتاب میں جو ہم نے ہر موضوع کے بارے میں ذکر کیا ہے یہ تو ایک انتہائی خلاصہ اور اجمال ہے۔

یاد آوری کے لئے لازم ہے کہ جب اسلام ادارہ عدل وانصاف کو مضبوط کرتا ہے اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بیت المال قرار دیتا ہے، لوگوں کے اکثر کاموں کی نگرانی کرتا ہے بااس طریقے سے کہ زیادہ سامان وسرمائے کی ضرورت نہ رکھتے ہوں، مثلاً کاؤنسل (syndicate) وغیرہ، بے بسی کو ختم کرنے یا محتاجوں کی مدد کرنے کے لئے

وجود میں آتی ہے اور بے نظمیوں اور مجبوریوں کو جلد اور منصفانہ قضاوت کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے اور بیت المال کے ذریعے مدد بھی مہیا کی جاسکتی ہے۔

﴿نفاذ اسلام﴾

یہاں پر ایک سوال پیش آتا ہے کہ اگر اسلام ایسا ہی ہے جیسے آپ کہتے ہیں تو کس زمانے میں اسے نافذ کیا گیا ہے؟ کیونکہ یہ بات مشہور ہے کہ حقیقی اسلام کسی زمانے میں نافذ نہیں ہوا ہے۔

اس سوال کا جواب واضح ہے کہ اسلام اکثر ادوار اسلامی میں نافذ ہو چکا ہے مگر بطور ناقص سوائے چند زمانوں کے کہ جن میں اسلام بطور کامل نافذ ہو چکا تھا، جیسے خود پیغمبرؐ کا زمانہ اور انکے بعض حقیقی خلفاء کے ادوار میں۔

مگر تمام اسلامی ادوار میں تجارت، زراعت، اقتصاد، فوج اور ثقافت وغیرہ کے موضوعات میں مملکت کا عام نظام دین اسلام کی بنیاد پر رہا ہے۔ اب یہی مشکل ڈیموکریسی اور کمیونزم نظاموں کے لئے بھی پیدا ہوتی ہے، کیونکہ تاہنوز حقیقتاً وہ نافذ نہیں ہوئے ہیں۔ مثلاً صدر نے خواص و مقربوں پر بلکہ سب پر حقیقتاً نافذ نہیں کیا ہے۔ پھر اب کیوں ان نظاموں کے لئے اذان دی جاتی ہے جبکہ ابھی تک وہ نافذ نہیں ہوئیں؟

گمراہ جانشین ایسے گذرے ہیں کہ جو اسلام کو حدود قصر اور اپنے مقربوں میں تو نافذ ہی نہیں کرتے تھے۔ مگر نظام مملکت صرف اور صرف اسلام کی بنیاد پر تھا۔

﴿قانون کی پیروی﴾

ایک گروہ بیعت، تقلید اور خلیفہ یا اس کے نائب کی ''پیروی'' کا درمیانی فرق پوچھتا ہے۔

جواب بیعت سے مراد ہے: (ایک فرد مسلمان کا اپنے اوپر خلیفے کی پیروی کو لازم قرار دینا) اور اس کی ظاہری ضرورت بھی تھی وہ یوں کہ مسلمان اپنا ہاتھ کو خلیفہ کے ہاتھ میں دیتا تھا

جیسا کہ پیغمبرؐ اسلام نے بیعت شجرہ کے دن درخت کے نیچے اپنی ذات اقدس کے لئے اور عید غدیر کے دن علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے لئے مسلمانوں کے بیعت کرنے میں اسی صورت کا حکم فرمایا تھا۔

اور جو کچھ شرعی دلائل سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بیعت مسلمانوں کے ایک ایک فرد پر واجب نہیں بلکہ وجوب اس وقت ہے جب پیغمبرؐ یا امامؑ ان سے طلب کرے۔

اور تقلید سے مراد ہے: احکام شرعی پر ایسے فقیہ کے فتوے کے مطابق عمل کرنا جو احکام کو ان کے اصلی مدارک کے ذریعے جانتا ہو اور عدالت، مردانگی، بلوغ اور دوسرے شرائط سے متصف ہو جو کتب فقہ میں آئے ہیں۔

اور خیلفہ یا اس کے نائب کی پیروی: البتہ خلیفہ پیغمبر کی پیروی سے مراد ہے جنگ صلح وغیرہ میں اس کے اوامر واحکام کی اطاعت کرنا خواہ فقیہ ہو یا فقیہ کی طرف سے نائب ہو، خواہ وہ مسلمان اس کا مقلد ہو یا دوسرے فقیہ جامع الشرائط کا۔

رئیس (صدر) حکومت اسلامی پر واجب ہے کہ وکلاء اور گورنر اور قاضیوں کو امور مملکت کے چلانے کے لئے منتخب کرے خواہ یہ انتخاب خود اس کے ذریعے ہو یا ایسے شخص کے ذریعے ہو جو اس کی طرف سے نمائندہ ہو ان وکلاء اور گورنروں میں دو شرط لازم ہیں۔

ا۔ کفایت ۲۔ عدالت

قاضی میں ان دو شرطوں کے علاوہ احکام اسلامی میں 'نظر' بھی اضافہ ہوتی ہے۔ اور اسی طریقے سے گورنر اور قاضی میں شرط ہے کہ مرد، مسلمان اور مومن ہو اور دوسرا یہ کہ رئیس یا اس کا جا حق نہیں رکھتا کہ غیر مسلمان کو مسلمان پر مسلط کرے۔ مگر ملازمین کے تمام معاملات جیسے تعیین اوقات کار، ذمے داری کو انجام نہ دینے کی صورت میں معطل کرنا، کام کے برابر یا اس کی کفایت کے مطابق بیت المال سے اسکی تنخواہ کی ادائیگی (payment)

،اس کا استعفاء منظور کرنا ،صلاحیت کے مطابق ترقی دینا ، ایک ادارے سے دوسرے ادارے کی طرف تبادلہ کرنا، اوقات کار کے دوران یا اس کے بعد پبلک ڈیلنگ کی کیفیت وطرز اوران کے علاوہ سارے معاملات حاکم اسلامی کے اختیار میں اور اس کی صوابدید پر منحصر ہیں۔

اسلام ملازم اور غیر ملازم کو قانون کے سامنے ایک ہی خیال کرتا ہے اور جو بھی جرم کرے اس کو سزا دیتا ہے بنا برایں ملازم وغیر ملازم، گورے وکالے عرب وعجم اور تمام لوگوں میں اگر چہ مختلف جہتوں سے مختلف ہی کیوں نہ ہوں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ موجودہ زمانے کے بہت سے قوانین کے خلاف ہے کیونکہ وہ قوانین جرائم اور گناہوں میں بعض ملازمین کے لئے امتیاز برتنے کے قائل ہیں جیسے بادشاہ یا رئیس جمہوری قانون سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ اس طرح کے اس دور کے قوانین سب کے سامنے واضح وآشکار ہیں۔

دوسرا یہ کہ وزراء کا انتخاب، رائے دہندگان کا جمع کرنا، عملے کی کثرت وکمی، امت اسلامی کے تقاضا کے مطابق ہوگی کیونکہ ان امور کی کوئی مخصوص ہیئت اسلام میں ذکر نہیں ہوئی ہے۔ ہاں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام (ان امور کی وجہ سے) کامیاب ہے:

۱۔ وسیع وکثیر خودمختاریاں۔

۲۔ حیرت انگیز سادگی

۳۔ مسلمانوں کے درمیان زیادہ اعتماد

۴۔ اسلامی حکومت کے دفاتر بہت کم ہیں ۔شاید حکومت اسلامی کے دفاتر موجودہ حکومتوں میں سے کسی حکومت دفاتر کے دسویں حصے میں ہوں۔ اور یہی کافی ہے جو سمجھیں کہ ایک ملک کے بہت سے ادارے ایک گورنر، قاضی، اور بیت المال کے سرپرست کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ ملازمین بہت مختصر تعداد میں دئے جاتے ہیں۔

﴿اقلیتیں﴾

مملکت اسلامی میں اقلیتوں کا وہی حکم ہے جو دوسرے ممالک میں اقلیتوں کا ہے۔ صرف ایک فرق ہے وہ یہ ہے کہ اسلام میں اقلیتیں اپنی ساری خودمختاریوں سے بہرمند ہوتی ہیں سوائے منکرات کے اعلانیہ استعمال کے کہ اس کے مجاز نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اسلام کی روشنی میں تمام خودمختاریوں سے بہرہ مند ہے لہذا طول تاریخ میں ہمیشہ اقلیتیں، مسلمانوں کی حکومت کے خواستگار رہی ہیں۔ ان کی خواہشیں یہی رہی ہے کہ جو غیر اسلامی حکومتیں ان پر ظلم وستم کرتی ہیں ان کا تختہ الٹ دیں یا ان کو مٹا دیں۔

﴿ضرورتوں کا پورا کرنا﴾

اسلام میں ''بیت المال'' کے نام سے ایک خزانہ ہے جس میں خمس، زکواۃ، خراج اور جزیہ جمع ہوتا ہے اور تمام اسلامی امور، بینواؤں، ضرورتمندوں وغیرہ پر خرچ ہوتا ہے۔ اور یہ امور اقتصادی سے اہم امر جو فقر وحرص کو زائل کرتا ہے، آج تک ایسا خزانہ معاصر حکومتوں میں صفحۂ ہستی پر نظر نہیں آیا۔ بیت المال کے کاموں کا نمونہ یہ ہے (جو حکومت کے مختلف مہمات کو پورا کرنے کے علاوہ ہے) کہ بے چارے وبینوا کو اس کی بینوائی رفع کرنے کے لئے، مریض کو اس کے علاج کے لئے، اس مسافر کو جو سفر میں محتاج ہو گیا ہو، اسے خاندان تک پہنچانے کے لئے، کنوارے کو اس کے ازدواج کے لئے کسان کو ضروری چیزیں (بل وبیل وغیرہ) خریدنے کے لئے مدد کرنا ہے۔ ایسے ہی اس خاندان کو جسے مکان کی ضرورت ہو، اسی طرح ان سب کو جو پونجی نہیں رکھتے ہوں، اس طالب علم کو جو علم حاصل کرنا چاہتا ہو اور سفر کرے، مناسب مدد کرتا ہے۔ ان موارد کے علاوہ مملکت کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ لہذا مملکت اسلام میں کوئی فقیر دیکھنے کو نہیں ملتا۔ حتی کہ ایک دفعہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے ایک فقیر کو دیکھا کہ اس نے دست گدائی دراز کیا، حیرانی کی حالت میں کھڑے

ہو گئے اور پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ وہ بوڑھا نصرانی ہے، عاجز ولاچار ہو گیا ہے۔ امام نے فرمایا تم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اس سے کام لیتے رہے تا آنکہ عاجز ہو گیا پھر چھوڑ دیا! اسے بیت المال سے معین وظیفہ ادا کرو۔

ان اہم محرکات سے جو اسلام قوم کے لئے فراہم کرتا ہے، حتی کہ ترقی یافتہ قوموں میں بھی وہ محرکات نہیں ملتے وہ ہیں:

۱۔ ایمان: وہ باعث بنتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو تمام حالتوں میں خدا کے سامنے ذمیدار سمجھے۔ اس طرح انسان کا باطنی مانع (کے دل) میں ایک جذبہ پیدا کر دیتا ہے جو اسے جرم، خیانت، خلاف عقل وہدایت کام کرنے سے دور رکھتا ہے۔

اگر ڈھائی لاکھ انسانوں پر دس لاکھ انسپکٹر بھی مقرر کر دے تو اتنی انسپیکٹر وں کی کثیر تعداد ایمان والی تاثیر لوگوں میں (پیدا کر کے) پوری نہیں کر سکتے۔ وہ ایمان ہی ہے جو لوگوں کی روک تھام اور جرائم و گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے۔

۲۔ اعتماد: قوم اپنے افراد کے باہمی اعتماد کے ساتھ ہی اپنی زندگی گزار سکتی ہے۔ جب کبھی اعتماد کمزور ہو جائے، اجتماعی ناطے اور رابطے ٹوٹ جائیں مثلاً اگر لوگوں کا حکومت پر اعتماد نہ ہو تو اس کے ساتھ مل جل کر کام نہیں کریں گے اور اگر حکومت کا لوگوں پر اعتماد نہ ہو تو آگ لوہے والا سلوک ان کے ساتھ روا رکھے گی۔ اور اسی انداز سے مگر اسلام نے ایک فرشتہ صورت روح معنویت کیساتھ لوگوں میں پھونک دی ہے لہذا اعتماد باعث اطمینان و استقرار، آسودگی وسعادت (ہی نہیں بنتا) بلکہ اس میں پائیداری بھی پیدا کرتا ہے۔

۳۔ فضیلت: جرائم کے گھٹانے کا سبب بنتی ہے بلکہ بسا اوقات جرائم کا خاتمہ ہی کر دیتی ہے۔ کیونکہ جرم، اولاً تو باطنی خباثت اور ثانیاً ضرورت سے سرچشمہ پاتا ہے۔ مثلاً کوئی شادی نہ کرے تو زنا کار ہو جائے گا۔ اسلام انسان کو ایمان اور فضیلت کے ساتھ اس کے

باطن کو پاکیزگی عطا کرتا ہے اور بیت المال کے ذریعے قوم کی حاجت کو بر لاتا ہے۔ اسی وجہ سے جرائم خود بخود جماعت اسلامی سے بستر باندھ لیتے ہیں۔

اور بالکل واضح ہے کہ جماعت وقوم کے درمیان سے جرائم اٹھ جانے سے کس حد تک راحت، سعادت وخوش بختی، حکومت وملت کے ہر فرد کیلئے پیدا ہو جاتی ہے۔

﴿قوانین خاص وعام﴾

خاتمہ میں ہمیں کہنا پڑے گا کہ نظام اور زندگی کے ہر موضوع میں اسلام دو قسم کے قانون رکھتا ہے:

۱۔قوانین خاص:

وہ قوانین جو خصوصی طور پر نظام سے متعارف کراتے ہیں جیسا کہ نظام میں رئیس حکومت ہے اور وہ پیغمبرؐ، امامؑ یا اس کا قائم مقام ہی ہو سکتا ہے...........

یا وہ قوانین جو مخصوص انداز سے کسی پروگرام کو بیان کریں۔ جیسے الکحل کے مشروبات اور ازدواج سے ممانعت جبکہ شوہر کے پاس پہلے ہی چار بیویاں موجود ہوں۔

۲۔قوانین کلی:

وہ قوانین جو بہت سے افراد پر جاری ہوتے ہیں جیسے ملازمین کی تعداد کی تعیین اور ان کی کارکردگی کی طرز اور اس چیز کا حلال ہونا جو مناسب اور شائستہ ہے، جیسے رہائش، لباس، خوراک، مشروبات اور انسان کی ساری ضروریات۔

اسی بنا پر جس طرح برقی توانائی اور ہوائی جہاز سے مسافرت حلال ہے ویسے ہی (ہمیں کہنا پڑے گا کہ) سربراہ حکومت مصلحت کے مطابق ملک کی رفتار کی تقاضا کی خاطر کسی نظام کو منتخب کرے اس شرط کے ساتھ کہ وہ نظام اسلام میں حرام نہ ہو۔

اور جس طرح جدید ٹیکنالوجی کے وسائل کی خدمات، آسودگی حیات کے لئے حاصل کرنا ممنوع نہیں ہیں ویسے ہی مملکت کی چکی چلانے کی خاطر کسی ایسے بہترین نظام کا انتخاب ونفاذ کہ جس تک طائر فکر بشر پرواز کر چکا ہو ممنوع نہیں ہے۔

یہ آخرین ہدف تھا جو چاہا کہ اس رسالے میں درج کریں۔ خدا تعالیٰ سے طلبگار ہوں کہ مسلمانوں کو توفیق دے تا کہ اسلام پر بلحاظ عقیدہ، شریعت اور نظام عمل کریں، تا کہ زندگی میں سعادتمند، آرام پذیر اور دنیا و آخرت میں موفق اور بہرہ ور ہوں۔

سبحان ربک رب العزة عمایصفون وسلام علیٰ المرسلین والحمد للّٰه رب العالمین والصلوة والسلام علیٰ محمد و آله الطّیبین الطّاهرین.

﴿شیعہ، قرآن مجید کی روشنی میں﴾

(سورہ البیّنہ)

اس سورہ میں دو آیات کریمہ ہیں:

انَّ الَّذِينَ امَنُوا وعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُولٰئِکَ هُمْ خَيرُ البَرِيَّة ☆جزآئُهُم عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجرِیُ مِنْ تَحْتِهَا الانهارُ خَالِدِيْنَ فِيهَا ابَداً رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذالِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهُ☆(بینہ آیت ۷،۸)

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے رہے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں۔ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے سہنے کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے خوش،یہ جزاء خاص اس شخص کیلئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرے“۔

حافظ حاکم حسکانی حنفی نے ابی بکر حارثی سے (باسناد) ابن عباس سے روایت کی ہے،اس نے کہا: جب یہ آیت انَّ الَّذِینَ آمَنُوا......تا آخر نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

قال النّبی(ص) لعلیؑ:هو انت و شیعتک تاتی انت و شیعتک یوم القیامة راضین مرضیّین،ویأتی عدوّک غضباناًمقمحین“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اس آیت مبارکہ کے مصداق آپ اور آپ کے شیعہ ہیں۔قیامت کے دن تُو اور تیرے شیعہ ہی راضی راضی آئیں گے،اور تیرے دشمن اللہ تعالیٰ کے غضب اور مصیبت میں مبتلاء ہو کر آئیں گے۔

قال علی (ع) یا رَسُوْلَ اللّٰه مَنْ عَدُوِّیُ؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: یارسول اللہ! میرے دشمن کون ہیں؟

قال(ص) مَنْ تبرَّءَ مِنکَ ولعنک

رسولؐ خدا نے فرمایا: جس نے تجھ سے دوری اختیار کی اور (معاذ اللہ) نفرین کی۔

ثمَّ قال رسولُ اللہ(ص): من قال رحم اللّٰہ علیاً یرحمه اللّٰہ(۱)

پھر رسولؐ خدا نے فرمایا: جو شخص کہے اللہ تعالیٰ حضرت علی علیہ السلام پر رحم کرے تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے گا۔

ابن جریر طبری نے اس کی تفسیر میں (باسناد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے:

انّه لمّا نزلت ھٰذہ قال رسول اللہ(ص):

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انت یا علی و شیعتک(۲)

''اے علی! تو اور تیرے شیعہ اس کے مصداق ہیں''۔

آلوسی نے ''روح المعانی'' میں اس قول خدا کی تفسیر میں کئی روایات نقل کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت ابن مردویہ سے اور اس نے حضرت علی علیہ السلام سے نقل کی ہے۔

انّ رسول اللہ(ص) قال له عند نزول ھٰذہ الآیة

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کے نازل ہوتے وقت حضرت علی علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

ھم انت و شیعتک،موعدی و موعدکم الحوض اذا جئت الامم

۱. شواھد التنزیل ج ۲ ص ۳۵۷

۲. جامع البیان فی تفسیر القرآن

للحساب يدعون غر المحجّلين(۱)

اے علی! اس آیت شریفہ کے مصداق آپ اور آپ کے شیعہ ہیں، میری اور آپ کی وعدہ گاہ حوض کوثر ہے، جب مخلوقات، امتیں حساب کے لئے ائیں گی، سفید نورانی پیشانی والے پکارے جائیں گے۔

ملت اسلامیہ کے بہت سے بزرگ علماء نے کافی تعداد میں روایات درج کی ہیں۔

بطور مثال:

علامہ شافعی جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور جلد ۶ ص ۳۷۹

احناف کے فقیہ، متقی ہندی نے کنز العمال جلد ۴ ص ۴۰۳

علامہ عبدالرؤف منادی (حنفی) نے کنوز الحقائق ص ۴

علامہ گنجی شافعی نے کفایۃ الطالب ص ۱۱۸

علامہ سید شبلنجی شافعی نے نورالابصار ص ۷۸

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء نے روایات واحادیث تحریر فرمائی ہیں۔

۞ ۞ ۞

۱۔ تفسیر روح المعانی سورہ بیّنہ

﴿شیعہ، احادیث کی روشنی میں﴾

یہ احادیث فضائل وصفات شیعہ میں شیخ صدوقؒ سے نقل ہوئی ہیں:

.......ابن عمر قال سألنا النبی (ص) عن علی ابن ابی طالب علیه السلام فغضب (ص) ثم قال ما بال اقوام یذکرون من منزلتی من الله کمنزلتی.

(ترجمہ):۔ابو جعفر محمد ابن علی بن حسین بن بابویہ قمی رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے انہوں نے عبداللہ بن حسین مؤدب سے اس نے احمد بن علی اصفہانی سے اس نے محمد بن اسلم طوسی سے اس نے ابورجاء سے اس نے نافع سے اس نے ابن عمر سے روایت کی ہے، ابن عمر بیان کرتا ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق سوال کیا پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضب ناک ہوئے پھر فرمایا: لوگوں کو کیا ہوگیا ہے ایسے شخص کے بارے میں باتیں کرتے ہیں جس کی عظمت ومنزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک (سوائے نبوت کے) بالکل میری قدرومنزلت جیسی ہے۔

الا و من احب علیاً احبنی ومن احبنی فقد رضی ا لله عنه و من رضی الله عنه کافاه الجنة،

رسول خدا نے فرمایا: ”آگاہ رہو جو کوئی (حضرت) علی علیہ السلام سے محبت کرے گا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا اور جس سے اللہ راضی ہوگیا اس کے لئے جنت ہے“۔

الا، ومن احب علیاً لا یخرج من الدنیا حتیٰ یشرب الکوثر ویأکل من طوبیٰ ویریٰ مکانه فی الجنة،

"آگاہ رہو جو کوئی علی علیہ السلام کو دوست رکھے گا وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک آب کوثر نہ پی لے اور درخت طوبیٰ سے کوئی چیز نہ کھائے اور جنت میں اپنا مکان نہ دیکھ لے"۔

الا و من أَحَبَّ علیاً استغفرت له الملائكة و فتحت له ابواب الجنة الثمانية يدخلها من اىّ باب شاء بغير حساب

یاد رکھو جو شخص علی علیہ السلام سے محبت رکھے گا اس کے لئے فرشتے بخشش طلب کریں گے اور آٹھ بہشتوں کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جائیں گے جس دروازے سے اس کا جی چاہے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو۔

الا و من أَحَبَّ عَلياً أعطاه الله كتابه بيمينه و حسابه حساب الانبياء

یاد رکھو جو کوئی علی علیہ السلام سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دے گا اور اس کا حساب انبیاء علیہم السلام کے حساب کی طرح (آسان) لیا جائے گا۔

الا و من أَحَبَّ علياً هون الله عليه سكرات الموت و جعل قبره روضة من رياح الجنّة.

آگاہ رہو جو کوئی علی علیہ السلام سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے موت کی سختی سے بچائے گا اور اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ قرار دے گا۔

الا و من أَحَبَّ علياً اعطاه الله بِكُلِّ عرق فى بدنه حوراء و شفيع فى ثمانين من اهل بيته وله بكل شعرةٍ فى بدنه حوراء و مدينة فى الجنّة.

آگاہ رہو جو کوئی علی علیہ السلام سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے بدن کے ہر بال کے بدلے ایک حور عطا کرے گا اور اپنے خاندان کے اسی (۸۰) افراد کے حق میں اس کی شفاعت

قبول ہوگی اور اس کے ہر بال کے عوض ایک حور اور ایک شہر جنت میں اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

الا ومن أَحَبَّ علياً بعث اللّٰه اليه ملك الموت كما يبعث الى الانبياء و دفع اللّٰه عنه هول منكرٍ و نكيرٍ وبيض وجهه و كان مع حمزه سيد الشّهدآء.

آگاہ رہو جو کوئی علی علیہ السلام سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے پاس موت کا فرشتہ اس طرح بھیجے گا جس طرح انبیاء کی طرف بھیجتا ہے اور منکر و نکیر کا خوف دور کرے گا اور اس کا چہرہ سفید (نورانی) ہوگا اور حضرت حمزہ کے ساتھ محشور ہوگا (جو جنگ احد میں شہید ہونے والوں کے سردار ہیں)

الا ومن احب علياً(لا يخرج من الدنيا حتىٰ يشرب الكوثر ويا كل من طوبىٰ)اثبت اللّٰه فى قلبه الحكمة و اجرىٰ لسانه الصواب و فتح اللّٰه عليه ابواب الرحمة.

"آگاہ رہو جو کوئی علی علیہ السلام کو دوست رکھے گا (وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک آب کوثر نہ پی لے اور درخت طوبیٰ سے کوئی چیز نہ کھائے) اللہ تعالیٰ اس کا دل حکمت سے پر کردے گا اور اس کی زبان کو خطا و لغزش سے محفوظ رکھے گا اور اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا"۔

الا ومن أَحَبَّ علياً سمّى فى السمٰوٰت و الارض اسير اللّٰه.

"آگاہ رہو جو کوئی علی علیہ السلام کو دوست رکھے گا اسے آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کا اسیر (یعنی حق کی محبت کا اسیر) کہا جاتا ہے"۔

الا ومن أَحَبَّ علياً جاء يوم القيامة وجهه كالقمر ليلة البدر.

''آگاہ رہو جو کوئی علی علیہ السلام کو دوست رکھے گا وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں محشور ہوگا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا''۔

الا ومن أَحَبَّ علیاً وضع علیٰ رأسه تاج الملک و البس حلة الکرامة.

''آگاہ رہو جو کوئی علی علیہ السلام کو دوست رکھے گا قیامت کے دن اس کے سر پر تاج رکھا جائے گا اور بہشتی لباس پہنایا جائے گا''۔

الا ومن أَحَبَّ علیا جاز علیٰ الصراط کالبرق الخاطف.

''آگاہ رہو جو کوئی علی علیہ السلام کو دوست رکھے گا وہ پل صراط سے بجلی کی طرح تیزی کے ساتھ گذر جائے گا''۔

الا ومن أَحَبَّ علیاً کتب له برائة من النار و جواز علی الصراطو امان من العذاب ولم یشر له دیوان ولم ینصب له میزان و قیل له ادخل الجنة بلا حساب.

''آگاہ رہو جو کوئی علی علیہ السلام کو دوست رکھے گا اسے پل صراط سے گذرنے اور جہنم کے عذاب سے نجات کا پروانہ عطا کیا جائے گا اس کا نامۂ اعمال نہیں کھولا جائے گا اس کے لئے میزان نصب نہیں ہوگا اور اسے کہا جائے گا کہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوجا''۔

الا ومن أَحَبَّ علیاً صافحته الملائکة و زارته الانبیاء و قضی اللّٰه له کل حاجة.

''آگاہ رہو جو کوئی علی علیہ السلام کو دوست رکھے گا فرشتے اس سے مصافحہ کریں گے، انبیاء علیہم السلام اس کی زیارت کریں گے اور اللہ تعالیٰ اس کی تمام حاجتیں پوری کرے گا''۔

الا ومن أَحَبَّ آل محمد(ص) امن من الحساب و المیزان و الصراط.

''آگاہ رہو جو کوئی آل محمدؐ سے محبت رکھے گا وہ حساب، میزان اور پل صراط سے گذرتے

وقت امان میں ہوگا"۔

الا و من مات علیٰ حب آل محمد (ص) فانا کفلیه فی الجنة مع الانبیاء.

"آگاہ رہو جو کوئی آل محمدؑ کی محبت پر مرے گا اس کا ضامن ہوں کہ جنت میں انبیاء کے ساتھ ہوگا"۔

الا و من مات علیٰ بغض آل محمد(ص) لم یشم رائحة الجنة.

"آگاہ رہو جو کوئی آل محمدؑ کی دشمنی میں مرا اسے جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی"۔

قال ابو رجاء کان حماد بن زید یفتخر بهٰذا و یقول هو الاصل

"ابورجاء بیان کرتا ہے کہ حماد ابن زید آل محمدؑ کی محبت سے دل منور ہونے کی وجہ سے فخر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اعمال کی قبولیت اسی میں ہے"۔

علی ابن الحسینؑ عن ابیه علیه السلام: قال: قال رسول اللّٰه(ص) حبُّ اهل بیتی نافع فی سبعة مواطن اهوالهنَّ عظیمة، عند الوفاة و فی القبر و عند النشور و عند الکتاب و عند الحساب و عند المیزان و عند الصراط. (حدیث ۲، فضائل)

"علی ابن الحسینؑ نے اپنے آباء واجداد سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: میرے اہل بیتؑ کی محبت سات خوفناک مقام پر فائدہ دے گی،

۱۔موت کے وقت ۲۔قبر میں ۳۔قبروں سے محشور ہونے کے وقت ۴۔نامۂ اعمال ملتے وقت ۵۔حساب کے وقت ۶۔میزان کے وقت ۷۔پل صراط سے گذرنے کے وقت"۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰه(ص) حبُّ علی بن ابی طالب (علیهما السلام) یأکل الذنوب کما تأکل النّار الحطب، (حدیث ۱۰، فضائل)

ابن عباس نے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: علی ابن ابی طالب (علیہما السلام) کی

محبت گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے"۔

قال ابو عبداللّٰہ(ع) نحن شهداء علیٰ شیعتنا و شیعتنا شهداء علی النّاس و بشهادة شیعتنا یجزون ویعاقبون(حدیث ۱۶، فضائل)

"امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہم شیعوں پر گواہ ہیں اور شیعہ تمام لوگوں پر گواہ ہیں اور ہمارے شیعوں کی گواہی پر تمام لوگوں کو جزا و سزا ملے گی"۔

ابن فضّال قال سمعت الرّضا علیه السلام یقول: من واصل لنا قاطعاً او قطع لنا واصلاً او مدح لنا غائباً او اکرم لنا مخالفاً فلیس منّا ولسنا منه. (حدیث ۱۰، فضائل)

"ابن فضال نے امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے امامؑ نے فرمایا: جو کوئی ہم سے دور ہونے والے کے قریب ہو، یا ہمارے دوستوں سے دور ہونے والے کے قریب ہو، یا ہمارے دوستوں سے دوری اختیار کرے، یا جو ہم پر عیب لگاتے ہیں ان کی تعریف کرے یا ہمارے دشمن پر بخشش کرے وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے اور ہم بھی اس کے نہیں ہیں"۔

ابن فضال عن الرضا علیه السلام انّه قال: من والیٰ اعداء اللّٰه فقدعادی اولیاء اللّٰه ومن عادیٰ اولیاء اللّٰه فقد عادیٰ اللّٰه تبارک و تعالیٰ و حق علیٰ اللّٰه عزّ و جلّ ان یدخله فی نار جهنّم(حدیث ۱۱، فضائل)

"ابن فضال نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے، امامؑ نے فرمایا: جو کوئی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے محبت کرے گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دشمنی کی ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دشمنی کرے گویا اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہے کہ ایسے شخص کو جہنم میں بھیج دے"۔

معلّیٰ ابن خنیس، قال سمعت ابا عبد اللّٰه علیه السلام یقول؛ لیس النّاصب

مَن نصبَ لنا اهل البیت لِأنک لا تجس احداًیقول انا ابغض محمداًو آل محمد(ص)ولکن النّاصب من نصب لکم وهو یعلم انکم تتوالونا وتتبرون من اعدائنا وقال علیه السلام من اشبع عدواً لنا فقد قتل ولیاًلنا(حدیث۱۷،فضائل)

"معلّیٰ ابن خنیس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے،امامؑ نے فرمایا:جو ہمارے ساتھ دشمنی کرے اسے ناصبی نہیں کہتے اس لئے کہ ایسا کوئی آدمی آپ کو دنیا میں نہیں ملے گا جو اعلانیہ یہ کہے کہ میں محمدؐ و آل محمدؐ سے دشمنی رکھتا ہوں۔لیکن ناصبی وہ ہے جو آپ (شیعوں) کے ساتھ دشمنی رکھے،حالانکہ وہ جانتا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ محبت رکھتے ہیں اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری کرتے ہیں۔پھر امام نے فرمایا:جس کسی نے ہمارے دشمن کو سیر کیا اس نے ہمارے دوست کو قتل کیا"۔

قال رسول اللّٰه صلی اللّه علیه و آله وسلّم:لبعض اصحابه ذات یومٍ یا عبداللّٰه حبب فی الله و ابغض فی الله و عاد فی اللّٰه،فانّک لا تنال ولایته الا بذالک،ولا یجد رجل طعم الایمان وان کثرت صلاته وصیامه.حتیٰ یکون کذالک و قد صارت مؤاخاة النّاس فی یومکم هٰذااکثرها فی الدنیا ،علیها یتوادون وعلیها یتباغضون و ذالک لا یغنی عنهم من اللّٰه شیئاً،فقال علیه السلام کیف لی ان اعلم انی قد والیت و عادیت فی اللّٰه عزّ وجلّ ومن ولی اللّٰه عزّ و جلّ حتیٰ اوالیه و من عدوه حتیٰ اعادیه فاشار له رسول اللّٰه (ص) الیٰ علیٍ علیه السلام فقال أتریٰ هٰذا فقال بلیٰ،فقال(ص)ولی هٰذا و لی اللّٰه فواله وعدوهٰذاعدو اللّٰه فعاده،ووال ولیهٰذاولوانه قاتل ابیک وولدک،وعاد عدوهٰذا ولوانه ابوک

وولدک (حدیث ۶۵ ،فضائل)

علی ابن محمد ابن بسیار نے حضرت امام حسن العسکری علیہما السلام سے روایت کی ہے امام نے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: ایک دن اپنے اصحاب کو فرمایا: اے عبدِ خدا! اللہ تعالیٰ کیلئے دوستی کرو اور خدا کی خاطر دشمنی رکھو آپ کی دوستی اور اور دشمنی صرف اللہ کی خاطر ہونی چاہیئے، اللہ تعالیٰ کی دوستی اس راہ کے علاوہ تجھے نصیب نہیں ہوگی، آدمی ایمان کا ذائقہ نہیں چکھے گا اگر چہ بہت نمازیں پڑھے اور روزے رکھے مگر صرف ایک ہی طریقہ ہے جو میں بتا رہا ہوں۔ اس دور میں لوگوں کی اکثر دوستی دنیا کی خاطر ہے، آپس میں دوستی یا دشمنی صرف دنیا کی خاطر ہے۔ اس قسم کی دوستی تمہیں اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہیں کرے گی۔ سائل نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی: میں کس طرح معلوم کروں تا کہ خدا کیلئے دوستی و دشمنی رکھوں، کون اللہ کا دوست ہے تا کہ اس سے دوستی رکھوں؟ اور کون خدا کا دشمن ہے تا کہ اس سے دشمنی رکھوں؟ رسولؐ خدا نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: کیا تو اس مرد کو دیکھ رہا ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: اس (علی علیہ السلام) کا دوست اللہ کا دوست ہے اس سے دوستی رکھو اور اس کا دشمن اللہ کا دشمن سمجھو اس (علیؑ) کے دوست کو دوست رکھو خواہ وہ تمہارے باپ اور بھائی کا قاتل ہی کیوں نہ ہو، اور اس (علی علیہ السلام) کے دشمن کو دشمن سمجھو خواہ وہ تیرا باپ اور تیرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو"۔ **تمّت بالخیر**

آخر میں ہماری دعا ہے کہ خدا بحق محمد وآل محمد ہم تمام شیعیان حیدر کرّار کو انکی محبت کے ساتھ جینے اور مرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

غلام محمد فخر الدین نجفی
قم المقدس

اشفعی یا فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا

بضعۂ ختم الرسلؐ صدیقۂ اطہر بتولؑ
نام ہے جن کا کلام اللہ میں کوثر بتولؑ

جب ہوئی پیدا نبی زادی تو بولے مصطفیٰؐ
حور ہے جنت کی، پر انسان کا تیور بتولؑ

سوسن و سنبل یہ کہہ کر رخ بدلتے رہ گئے
آ گئی ہیں باغ جنت سے نبیؐ کے گھر بتولؑ

نور کی کیا بات ہے، ہر نور محو دنگ ہے!!!
شرم سے خورشید بھاگا دیکھ کر در پر بتولؑ

دھوپ کی کرنیں شمیم صبح سے کہنے لگیں!!!
ہاں ولائے حیدری کی ہیں حمایت گر بتولؑ

ہم ترے کردار سے سمجھے ہیں اے بنت نبیؐ!
صنف نسواں کے لئے ہم شان پیغمبر بتولؑ

ہے دعا شاہد کی، ہو روز حشر مجھ پر کرم
اشفعی یا مادرِ شبیرؑ اور شبرؑ بتولؑ

اختتامیہ کلمات

وقد اتیتک یا الھیٰ بعد تقصیری و اسرافی علیٰ نفسی معتذراً نادماً مستغفراً مقراً مذعناً معترفاً..................(دعائے کمیل)

یارب !اگر ز کردۂ ما پردہ وا کنی
ما را بہ خجلت ابدی مبتلا کنی
ھر کس بہ جان خویش جفا بیشتر کند
بر وی تو بیشتر ز ترحم وفا کنی
گر گبر رو کند بہ درت بھر التجا
ھردم ز مھر حاجت او را روا کنی
ھر کس بہ ھر لباس کہ بار عجز و التماس
در حضرت تو رو کند او را رضا کنی
یارب ھمین بس است تمنای ما کہ تو
ھنگام مرگ مدفن ما کربلا کنی

بعد از حمد و سپاس الٰہی، درود و سلام و تحیات بر خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بر مولائے متقیان امیر مومنان علیہ السلام و فرزندان فاطمہ و علی سروران تمام آفریدگان از جن و انس و نفرین بر دشمنان نادان فاطمہ از آغاز آفرینش تا روز حشر و نشر و بعد از این بندہ خاک زیر پائے فاطمہ و متمسک بہ ریسمان ولایت و دوستی فاطمہ۔ العاصی غلام محمد فخر الدین نجفی ساکن قم۔ ایران

قارئین محترم سے التماس کرتا ہے کہ حقیر عاصی کو اپنی دعاؤں میں نظر انداز نہ فرمائیں تا کہ دنیا سے چلتے چلاتے کچھ اور بھی دین مبین کی خدمت کرلوں شاید کسی ایک کتاب یا سطر یالفظ پر خلوص پیدا ہو جائے اور وہی زادِ راہ آخرت وصحراء محشر بن جائے ورنہ "من آنم کہ من دانم"، خداوند کریم ورحیم سے بہت کچھ امیدیں وابستہ ہیں کہ وہی مالک حقیقی دنیا و آخرت ہے اور اسی سے ساری امیدیں وابستہ ہیں اور اہلبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصاً فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی عنایت ومہربانیاں بھی ہمیشہ شامل حال رہی ہیں اور تا قیامت رہے گی، قارین کرام! کتاب میں اگر کوئی غلطی یا کمی بیشی ہو تو آگاہ فرمادیں تا کہ آیندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔ پروردگار مسلمانوں کو خیر وتقویٰ وحقیقت پر جمع کردے ان کی صفوں میں اتحاد واتفاق پیدا کردے ان کے دلوں میں محبت ومودت عترت اہلبیت رسول اللہ پیدا اور روشن کردے ان کے درمیان فساد اور منافقی وشیطانی کو دور کردے اور ان کو ان کے دشمنوں پر غلبہ و پیروز کردے جو زمین کی اصلاح کرے جس کی پوری دنیا بڑی صبر وسکون سے اس کے ظہور کا انتظار کر رہی ہے اسی لئے ہمارے پیغمبرؐ نے اس کا نام المہدی المنتظر رکھا ہے پروردگار اسی کے ظہور کو تعجیل فرمادیں۔ اللّٰھم کن لولیّکَ الحجۃ اِبن الحسن صَلواتکَ عَلیہ وَعَلیٰ ا بائہ فِی ھٰذہِ السَّاعتہ وَفِی کلِّ سَاعتہ وَلیاً وَحَافِظاً وَقَائدَاًوَنَاصِراً وَّدَلِیلاً وَعَیناً حَتّٰی تسکِنَہ اَرضَکَ طَوعاً وَتمَتّعہ فِیھا طَوِیلاً اَللّٰھم وَآلِ محَمدٍ عَجِل فَرَجھم وَاجعَلنا مِن اَتبا عِھِم وَاَعوَانِھِم وَاٰخِر دَعوَانا اَن الحَمدُاللّٰہِ رَبِ العَالَمِین۔

تاریخ۔ ۲۳ ماہ مبارک رمضان ۱۴۲۴ ھ.ق

۲۷۔آبان ۱۳۸۲ ھ.ش۔ بمطابق۔ ۱۸۔نومبر ۲۰۰۳ ع۔م

﴿العاصی۔ غلام محمد فخر الدین نجفی۔ بمقام قم المقدسہ﴾